حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریعی مقام

73

DATA ENTERED

تصنیف
ڈاکٹر مصطفےٰ سباعی مرحوم
صدر شعبۂ فقہ اسلامی
جامعہ دمشق

ترجمہ و تحشیہ
پروفیسر غلام احمد حریری ایم اے
شعبۂ علوم اسلامیہ
زرعی یونیورسٹی، لائلپور

ملک برادرز
کارخانہ بازار
برانچ کوتوالی روڈ
لائلپور

یہ بات دیکھی ہو۔ وہ بھی گولڈزیہر کا ایک بہت بڑا ماخذ ہے۔

رَجاء بن حَیوہ ائمہ حدیث کے نزدیک عظیم حافظ حدیث تھے۔

امام ذَہبی لکھتے ہیں:

"ابن سعد فرماتے ہیں رَجاء بہت بڑے حافظ ثقہ اور کثیر العلم تھے۔ ابن عَون کا قول ہے میں نے شام بھر میں رجاء جیسا شخص نہیں دیکھا۔ اور نہ عراق میں ابن سیرین جیسا اور نہ حجاز میں قاسم جیسا۔ ذَہبی کہتے ہیں رَجاء وہی شخص ہے جس نے سلیمان کو مشورہ دیا تھا کہ عمر بن عبدالعزیز کو خلیفہ بنائیں رجاء جیسے ثقہ حافظ حدیث کا جرم گولڈزیہر کی نگاہ میں یہ ہے کہ وہ شام میں بود و باش رکھتے تھے اور اموی خلفاء کے ساتھ ان کے مراسم تھے۔ امام زھری کا گناہ بھی یہی تھا۔"

حضرت جابرؓ بن سمرہ کا یہ قول کہ "جو شخص تمہیں بتائے کہ رسول کریمؐ بیٹھ کر خطبہ دیا کرتے تھے اس نے جھوٹ بولا۔ اس میں کسی موضوع حدیث کی تردید نہیں کی گئی۔ بخلافِ ازیں اس امر کا احتمال ہے کہ صحابہ کے ذہن میں بیٹھ کر خطبہ دینے کے جواز کا جو خیال آسکتا تھا حضرت جابر نے اس کی تردید کی اور قطعی طور سے بیان کر دیا کہ یہ سنت رسول کے منافی ہے۔

نماز عید سے قبل خطبہ دینے کا عذر مروان نے یہ بیان کیا تھا کہ اس نے مجبوراً ایسا کیا ہے اگر لوگ پہلے نماز پڑھ لیتے تو وہ خطبہ سننے کے لیے ٹھہر نہیں سکتے تھے۔ مروان نے یہ نہیں کہا تھا کہ اس نے کسی حدیث کی بناء پر ایسا کیا یا اس کی تائید میں اپنے اتباع کو حدیث وضع کرنے کے لیے کہا تھا۔ اس کے باوجود صحابہ و تابعین نے اس پر شدید تنقید کی تھی۔

صحیح بخاری میں حضرت ابوسعیدؓ خدری سے مروی ہے کہ جب امیر معاویہؓ کے عامل مدینہ مروان نے نماز سے پہلے خطبہ دیا تو وہ اس پر معترض ہوئے اور اس کا کپڑا پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ مروان نے اپنی طرف کھینچا اور منبر پر چڑھ کر خطبہ دینے لگا۔ ابوسعید خدری نے کہا، خدا کی قسم تم نے دینی احکام کو بدل ڈالا۔ مروان بولا "ابوسعید! وہ پرانی باتیں جو تمہیں معلوم ہیں رخصت ہوئیں" ابوسعید نے کہا "خدا کی قسم جو باتیں مجھے معلوم ہیں وہ ان سے بہتر ہیں جو مجھے معلوم نہیں"

Marfat.com

مروان نے کہا "اگر ہم نماز پہلے پڑھ لیتے تو لوگ خطبہ سننے کے لیے ہرگز نہ بیٹھتے"۔
صحیح مسلم کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ مروان نے کسی حدیث سے استدلال نہیں کیا۔ اسی طرح حضرت معاویہؓ نے بیٹھ کر خطبہ دینے مسجد کے پاس حجرہ بنانے اور منبر کی سیڑھیوں میں اضافہ کرنے کے بارے میں بھی کسی حدیث سے استدلال نہیں کیا۔ ان واقعات کے رونما ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ ہمیں جو کچھ بھی اختلاف ہے، وہ صرف اس بات سے ہے کہ یہ واقعات جو بنا بر اجتہاد ان کے اصحاب سے خاص احوال وظروف میں صادر ہوئے تھے۔ گولڈزیہر نے ان کو اس بات کی دلیل میں پیش کیا ہے کہ اموی حکام زندگی کے آداب واطوار کو بدل دینا چاہتے تھے اور اسی لیے انہوں نے حدیثیں وضع کی تھیں۔ حالاں کہ یہ بات واقعہ کے خلاف ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ مستشرقین بلا دلیل ہاتھ پاؤں مارتے ہیں اور توہمات پر قطعی احکام کی بنیاد رکھتے ہیں پھر اپنے تخیلات کے حق میں دلیل بھی پیش نہیں کر سکتے۔

یہودی مستشرق کا یہ دعویٰ کہ بعض احادیث ایسی تھیں جن سے بنو اُمیہ کا مفاد وابستہ تھا۔ جب عباسی برسر اقتدار آئے تو وہ چھپ گئیں مستشرق مذکور اس پر یقین رکھتا ہے مگر ہماری نگاہ میں یہ بات مشکوک ہے۔ ہم اس سے پوچھتے ہیں کہ وہ حدیثیں کہاں پوشیدہ ہوگئیں؟ عباسی خلفاء نے ان کو کہاں چھپا دیا؟ کیا عباسیہ نے محدثین کو ان کی نقل وروایت سے روک دیا تھا؟ اور اگر بعض حدیثیں ایک خاص عصر وعہد میں چھپ گئیں اور دوسرے میں معرض ظہور میں آگئیں۔ تو جھوٹ اور باطل کا یہی حال ہوتا ہے۔ جھوٹ جب رسوا ہونے لگتا ہے اور باطل جب شکست کھاتا ہے تو اس وقت چھپ جاتا ہے۔ مگر اس کے رُوپوش ہونے کے یہ معنی ہیں کہ کتب صحیحہ اور مسانید معتبرہ سے غائب ہو جاتا ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ احادیث بذات خود ان کے اصحاب ورُواۃ اور مدوِّنین سے بالکل ہی چھپ جائیں تو ایسا کبھی نہیں ہوا اور تاریخ میں اس کی کوئی مثال موجود نہیں۔ ہم چیلنج کرتے ہیں کہ مستشرقین اس کی ایک ہی مثال پیش کریں۔

کذب صالحین وتدلیس محدثین:۔ گولڈزیہر نے اپنے قول کی تائید وحمایت میں

Marfat.com

ایسے اقوال پیش کیے ہیں جن میں بعض علماء پر نقد و جرح کی گئی ہے۔ مثلاً محدث ابوعاصم النبیل فرماتے ہیں :-

"میں نے کسی نیک آدمی کو اس قدر جھوٹ بولتے نہیں دیکھا جتنا جھوٹ وہ حدیث میں بولتے ہیں"

یحییٰ بن سعید العطان سے بھی اسی قسم کا قول منقول ہے۔ وکیع زیاد بن عبداللہ کے بارے میں فرماتے ہیں :-

"وہ عزّ و شرف کے باوجود حدیث میں جھوٹ بولا کرتا تھا"

یزید بن ہارون فرماتے ہیں :-

"میرے زمانہ میں کوفہ کے محدثین ایک کو چھوڑ کر سب کے سب مدلّس تھے۔ حتیٰ کہ سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ کا شمار بھی اہل تدلیس میں ہوتا ہے"

کتاب ھٰذا کے آغاز میں ہم بیان کر آئے ہیں کہ علماء نے وضع حدیث اور وضاعین کے مقابلہ کے لیے کیا کیا مساعی جمیلہ انجام دی تھیں۔ ان جہود و مساعی کے مظاہر میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ راویوں پر سخت تنقید کی جاتی تھی۔ رواۃ حدیث کی درجہ بندی کر کے بعض کی مرویات کو قبول کیا جاتا۔ بعض کو ردّ کر دیا جاتا اور بعض کے قبول کرنے میں توقف سے کام لیا جاتا تھا۔ علمائے حدیث نے وضّاعین کو چند گروہوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ان میں سے ایک گروہ ان جاہل زاہدوں کا تھا جو جہالت کی وجہ سے حدیثیں گھڑ کر ان کو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب کر دیا کرتے تھے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ ہمیں اس پر اجر و ثواب ملے گا۔ علماء نے ان کی قلعی کھول کر رکھ دی اور ان کی حقیقت آشکار کر دی تھی۔ تاکہ لوگ ان کے زہد و تقویٰ کے دام فریب میں آ کر دھوکہ نہ کھا جائیں۔

گولڈزیہر نے ابوعاصم النبیل کا جو قول ذکر کیا ہے وہ اسی قبیل سے ہے کہ "میں نے کسی نیک آدمی کو اتنا جھوٹ بولتے نہیں دیکھا جس قدر جھوٹ وہ حدیث میں بولتے ہیں" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نیک خصلت ہونے کے یہ معنی نہیں کہ وہ درحقیقت صالح تھے جس طرح علماء ائمہ دین اور حفاظ حدیث ہوتے ہیں۔ بخلاف ازیں اس نیکی کے وہی معنی ہیں جو

Marfat.com

ہم نے بیان کیے۔ ورنہ اس سے لازم آئے گا کہ سعید بن المسیّب عُروہ شافعی مالک احمد ابوحنیفہ حسن بصری اور زھری رحمہم اللہ حدیث نبوی کی نقل و روایت میں اکذب الناس تھے۔ حالاں کہ کوئی شخص اس بات کا قائل نہیں ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ یحییٰ بن سعید القطان کا وہ قول جس کے بارے میں ہم نے کہا ہے کردہ ابو عاصم النبیل کے مقولہ کی مانند ہے، مقدمہ صحیح مسلم میں مذکور ہے۔ امام مسلم نے جہاں قبولِ احادیث میں احتیاط کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ جس راوی کی غلطیاں زیادہ ہوں جس کا عقیدہ خراب ہو اور غافل مزاج ہو اس کی مرویات کے قبول کرنے میں احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔ وہاں یحییٰ کا قول بھی ذکر کیا ہے۔ اس کے آگے امام مسلم فرماتے ہیں :۔

"یعنی جھوٹ نیک لوگوں کی زبان پر جاری ہو جاتا تھا اور وہ دانستہ اس کے مرتکب نہیں ہوتے تھے"

کوئی مسلم اس بات کی جسارت نہیں کر سکتا کہ صالحین سے حدیث کے آئمہ ثقات مراد لے اور ان کو کاذب ٹھہرائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ امام بخاری، احمد، اوزاعی، زھری اور مسلم جیسے آئمہ حدیث صالحین کے زُمرہ سے نکل جائیں گے۔ ہم نے سابقہ بیان کے خلاف صالحین کی ایک اور تفسیر بھی سُنی ہے۔ امام شعرانی اپنی کتاب "العھود الکبریٰ" میں لکھتے ہیں :۔

"میں نے اپنے استاد شیخ الاسلام زکریا رحمہ اللہ سے سُنا فرماتے تھے کہ بعض محدثین نے کہا ہے کہ صالحین سب لوگوں سے زیادہ جھوٹے ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ ان کے باطن پر سلامت روی کا غلبہ ہوتا ہے۔ لہٰذا لوگوں کے بارے میں ان کا گمان یہ ہوتا ہے کہ وہ رسول کریمؐ پر جھوٹ نہیں باندھتے۔ صالحین سے ان کے نزدیک وہ عبادت گزار مراد ہیں جو علم بلاغت سے ناآشنا ہوتے ہیں اور نبی و غیر نبی کے کلام میں فرق و امتیاز نہیں کر سکتے۔ جب کہ دوسرے لوگ اس فرق سے آگاہ ہوتے ہیں"۔ (قواعد التحدیث للقاسمی)

گولڈ زیہر نے وکیع کا جو قول زیاد بن عبداللہ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ وہ معزز ہونے کے باوجود احادیث میں دروغ گوئی سے کام لیا کرتے تھے" یہ اس خبیث مستشرق کی تحریفات

Marfat.com

میں سے ایک ہے۔ امام بخاری کی تاریخ کبیر میں اصل عبارت یوں ہے :

"ابن عقبہ السدوسی وکیع سے نقل کرتے ہیں کہ زیاد بن عبداللہ کا مقام دروغ گوئی سے بلند تر ہے۔" (تاریخ کبیر، ج ۲-ص ۳۲۹)

آپ دیکھ رہے ہیں کہ وکیع نے زیاد بن عبداللہ سے متعلق ہر قسم کے جھوٹ کی نفی کی اور بتایا ہے کہ ان کا مقام دروغ گوئی سے بلند تر تھا۔ یہودی مستشرق نے اسی عبارت کو یوں تبدیل کر دیا کہ زیاد باعزت ہونے کے باوجود حدیثیں روایت کرنے میں دروغ گوئی سے کام لیا کرتے تھے۔ کیا مستشرقین کی علمی امانت یہی ہے؟

باقی رہا تدلیس کا معاملہ تو یہاں اس کے لغوی معنی (فریب دہی ملمع سازی) مراد نہیں۔ بخلاف ازیں تدلیس محدثین کی ایک خاص اصطلاح ہے۔ محدثین کے نزدیک تدلیس کی دو قسمیں ہیں محدث ابن الصلاح رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

"تدلیس کی دو قسمیں ہیں۔

(۱)۔ **تدلیس اسناد** :۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک شخص جس سے مل چکا ہو اس سے ایسی حدیث روایت کرے جو اس سے سنی نہ ہو مگر دوسرے شخص کو یہ تاثر دے کہ اس نے یہ روایت اس سے سنی ہے۔ یا ایسے معاصر سے روایت کرے جس سے ملا نہ ہو۔ مگر دوسرا شخص اس وہم میں مبتلا ہو جائے گا کہ یہ شخص اس سے ملا بھی ہے اور اس نے یہ حدیث اس سے سنی بھی ہے۔

(۲)۔ **تدلیس شیوخ** :۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک راوی اپنے شیخ سے وہ حدیث روایت کرے جو اس سے سنی ہو۔ مگر وہ اپنے شیخ کا نام یا کنیت یا کوئی نسب اور وصف ایسا بیان کرے جس سے وہ مشہور نہ ہو اور اس کا مقصد یہ ہو کہ وہ شیخ پہچانا نہ جا سکے۔

تدلیس کی پہلی قسم اکثر علماء کے نزدیک مکروہ و مذموم ہے۔ مدلس کی روایت کے قبول و عدم قبول میں علماء کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ اس میں تفصیل کی ضرورت ہے۔ ایک مدلس راوی جب ایسے مبہم الفاظ استعمال کرے جن میں سماع و اتصال کی صراحت نہ ہو تو اس کا حکم حدیث مرسل کا سا ہوگا۔ اور جس میں اتصال کی تصریح ہو مثلاً سمعتُ یا حدثنا و اخبرنا یا اس

Marfat.com

قسم کے دیگر الفاظ استعمال کرے تو وہ حدیث مقبول اور قابل احتجاج ہوگی۔ صحیحین اور دیگر معتمد کتب حدیث میں ایسی احادیث بکثرت موجود ہیں۔ مثلاً قتادہ اعمش سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری، ہشام بن بشیر وغیرھم مدلس راوی شمار ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تدلیس اور کذب میں فرق ہے تدلیس میں صرف ایک طرح کا ابہام و اجمال پایا جاتا ہے۔ جہاں تک تدلیس کی دوسری قسم کا تعلق ہے۔ اس کا معاملہ خفیف تر ہے۔" (مقدمہ ابن الصلاح)

محدث ابن الصلاح کی ان تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ مذکورہ صدر رواۃ حدیث کی تدلیس جرح و قدح کی موجب نہیں ہے۔ اس لیے صرف تدلیس کا نام لے کر لوگوں کو ہراساں کرنے کے کوئی معنی نہیں۔ علاوہ ازیں گولڈزیہر نے مدلسین کے زمرہ میں جن رواۃ حدیث کے نام گنائے ہیں وہ سب ایک ہی شہر کوفہ کے رہنے والے تھے۔ پھر دیگر اسلامی بلاد و امصار کے راویوں پر یہ الزام کیسے عائد کیا جا سکتا ہے۔

محدث حاکم اپنی کتاب "معرفۃ علوم الحدیث" میں فرماتے ہیں:

"ساکنانِ ارض حجاز و حرمین و مصر اہل خراسان، اصبہان بلاد فارس، خوزستان اور ماوراء النہر ان میں سے کسی کے بارے میں معلوم نہیں کہ وہ مدلس ہو۔ تدلیس کا نقص سب سے زیادہ۔ اہل کوفہ اور قدرے اہل بصرہ میں پایا جاتا ہے، علاوہ ازیں محدثین نے سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ کی تدلیس کے بارے میں ایسے عذرات بیان کیے ہیں جو قابل قبول ہیں۔ سفیان بن عیینہ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ ثقہ راویوں سے روایت کیا کرتے تھے اس لیے ان کی تدلیس مقبول ہے جب مدلس روایت سے متعلق ان سے پوچھا جاتا تو وہ ابن جریج معمر اور اس قسم کے ثقہ راویوں کا حوالہ دیا کرتے تھے۔ ابن حبان نے اسی کو ترجیح دی اور فرمایا ہے کہ ایسی تدلیس سے سفیان بن عیینہ پر کوئی قدح وارد نہیں ہوتی۔"

(معرفۃ علوم الحدیث و شرح الفیہ عراقی، ج ۱۔ ص ۸۴)

سفیان ثوری کی تدلیس کے سلسلہ میں کہا گیا ہے کہ وہ نام کی جگہ کنیت اور برعکس ذکر کر دیا کرتے تھے۔ یہ تدلیس نہیں بلکہ راوی کے حق میں تزئین (آرائش و زیبائش) ہے۔

Marfat.com

محدث بیہقی نے المدخل میں اس کو ابو عامر سے نقل کیا ہے۔

صحت حدیث کا فیصلہ مبنی بر ظاہر ہوتا ہے:

گولڈ زیہر لکھتا ہے :-

"دوسری صدی ہجری میں مسلمانوں کے اندر اس احساس نے کروٹ لی تھی کہ احادیث کی صحت کا فیصلہ صرف ظاہری شکل و صورت کی اساس پر کرنا چاہیے۔ نیز یہ کہ بکثرت احادیث جید الاسانید ہیں مگر اس کے باوجود ان میں بہت سی موضوع احادیث بھی ہیں۔ اس بات کی تائید میں وہ یہ حدیث پیش کرتے تھے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "بکثرت حدیثیں میری جانب سے نقل کی جائیں گی۔ جو شخص تمہیں کوئی حدیث سنائے اسے کتاب اللہ پر منطبق کر کے دیکھ لیا کرو۔ جو اس سے لگا کھاتی ہو تسلیم کر لو۔ کہ وہ میری طرف سے ہے خواہ میں نے کہی ہو یا نہ کہی ہو"، جب موضوعات کا عام چرچا ہوا تو اس وقت اس ضابطہ پر عمل کیا جانے لگا"

مذکورہ صدر عبارت میں گولڈ زیہر نے علمائے اسلام پر دو جھوٹ تصنیف کیے ہیں۔

(۱)۔ یہودی مستشرق کا یہ دعویٰ بے بنیاد ہے کہ صحتِ احادیث کا فیصلہ صرف ظاہری اساس پر کیا جاتا ہے۔ نیز یہ کہ جید الاسانید احادیث کے اندر بھی بہت سی موضوعات ہوا کرتی ہیں۔ یہ علمائے اسلام پر سفید جھوٹ ہے۔ یہ بات انہوں نے ہرگز نہیں کہی۔ آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک جید السند حدیث موضوع بھی ہو؟

علماء نے جو بات کہی تھی وہ یہ تھی کہ آیا خبر واحد سے قطعی و یقینی علم حاصل ہوتا ہے یا ظنی؟ بعض کے نزدیک خبر واحد مفیدِ یقین ہے۔ مگر جمہور کی رائے یہ ہے کہ اس سے ظنی علم حاصل ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خبر واحد اگرچہ شروط و قواعد کے لحاظ سے صحیح ہوتی ہے مگر اس میں عدم صحت کا احتمال باقی ہوتا ہے۔ مگر یہ بات خدا کے دین میں حزم و احتیاط کی اساس پر کہی جاتی ہے اور صرف یہ ایک عقلی احتمال ہے جس کا وقوع ضروری نہیں، اندازہ لگائیے کہ گولڈ زیہر نے جو کچھ کہا ہے اس کا اس بات سے کیا تعلق ہے؟

Marfat.com

(۲) ۔ گولڈزیہر کا یہ دعویٰ کہ آگے چل کر مذکورہ صدر حدیث کو حدیث نبوی کی جانچ پرکھ کے سلسلہ میں ایک معیار و مقیاس کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی بالکل بے کار و بے دلیل ہے ۔ یہ ایک زبردست افتراء ہے ۔ اس لیے کہ ائمہ حدیث نے اس روایت کو من گھڑت قرار دیا ہے قبل ازیں حجیتِ حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے ہم اس حدیث کی تحقیق کر چکے ہیں اس حدیث سے متعلق ہم نے امام شافعی ابن حزم یحییٰ بن معین اور عبدالرحمٰن بن مہدی کے اقوال و آراء بھی ذکر کیے تھے حیرت ہے کہ ایک موضوع حدیث کو احادیث کی جانچ تول کے لیے معیار کیسے قرار دیا جا سکتا تھا ؟

ابن عمر کی ابوھریرہ پر تنقید :

گولڈزیہر نے حدیث نبوی " کلب زرع " کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے ابوھریرہؓ پر نقد و جرح کی تھی ۔ استاد احمد امین پر تنقید کرتے ہوئے ہم اس حدیث سے متعلق تفصیلی بحث کر چکے ہیں ۔ احمد امین نے یہ اعتراض گولڈزیہر سے مستعار لیا مگر اس کو مستشرق مذکور کا نام لیے بغیر اس لحاظ سے پیش کیا کہ یہ اس کے اپنے دماغ کی اپج ہے ۔ آفرین ہے ایسی علمی دیانت پر !

صحف مکتوبہ :

گولڈزیہر نے احادیث پر نقد و تبصرہ سے متعلق اپنی بحث کو اس بات پر ختم کیا ہے کہ علماء نے فقہی مسائل و قواعد کے اثبات کے سلسلہ میں صرف زبانی روایات ہی پر بھروسہ نہیں کیا بلکہ چند مکتوبہ رسائل ایسے اختراع کر لیے تھے ۔ جن کے متعلق ان کا دعویٰ یہ تھا کہ ان سے رسول کریمؐ کا منشاء ظاہر ہوتا ہے ۔ اس سے گولڈزیہر کی مراد وہ رسالہ ہے جس میں زکوٰۃ کے احکام مندرج تھے ۔ پھر وہ ایسی روایات ذکر کرتا ہے ، جن سے ایسے تحریر شدہ رسائل کا پتا چلتا ہے جن میں مکمل نظام زکوٰۃ پر روشنی ڈالی گئی تھی ۔ پھر اس نے یہ بات ثابت کرنے کے لیے کہ لوگ اس قسم کی دستاویزات پر اعتماد کر لیا کرتے ہیں اس حلف کا ذکر کیا ہے ۔ جس کا اعلان شمالی اور جنوبی عربوں کے نزاع و جدال کے وقت کیا گیا تھا ۔ یہ واقعہ تُبّع بن مَعدیکرِب کے عصر و عہد میں پیش آیا تھا ۔ لوگوں نے اس قدر پرانا واقعہ ہونے کے باوجود اس کو تسلیم کر لیا تھا ۔ پھر وہ ایسی

Marfat.com

دستاویزات کو کیوں کر قبول نہ کرتے جو مقابلۃً قریب زمانہ میں تیار کی گئی تھیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ یہ علمائے اسلام اور مسلمانوں پر ایک اور شدید حملہ ہے جس کی سند تاریخ میں موجود نہیں۔ یہ مکتوبہ صحیفے جو پہلی اور دوسری صدی ہجری میں نمودار ہوئے تھے علماء نے ان کو یونہی قبول نہیں کر لیا تھا۔ جیسا کہ گولڈ زیہر نے دعویٰ کیا ہے۔ بخلاف ازیں علماء نے ان کو چھانا پھٹکا اور ان قواعد پر رکھ کر جانچا جو ہم قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں۔ اسی کے پیش نظر علماء نے ابن ھدبہ، ابن مینار اور راشح کے صحیفوں کو موضوع قرار دیا۔

جہاں تک ان صحیفوں کا تعلق ہے جن میں اونٹ، گائے، بکریوں اور دیگر اشیاء کی زکوٰۃ اور ان کے نصاب کی تفصیلات مذکور ہیں علماء نے ان کو اپنی خصوصی توجہ اور نقد و تبصرہ کا موضوع قرار دیا تھا اس بات پر علماء کا اجماع منعقد ہوا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے جو خط حضرت انسؓ کے نام لکھا تھا وہ صحیح ہے۔ امام بخاری نسائی ابوداؤد دارقطنی شافعی حاکم اور بیہقی نے اُس کو نقل کیا ہے۔ اس قسم کے بعض خطوط کو بعض علماء نے صحیح اور بعض نے حسن قرار دیا ہے۔ ان میں سے بعض خطوط مرسل ہیں اور بعض منقطع۔

بہرکیف تحقیق و تجسس سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء نے ان کو بلا نقد و جرح قبول نہیں کیا تھا مزید براں علماء نے صرف مکتوبہ عبارت پر ہی بھروسہ نہیں کیا تھا بلکہ ان کے مندرجات کو باقاعدہ سند کے ساتھ روایت کیا تھا۔ اس لیے علماء نے دو مختلف طریقوں سے ان پر اعتماد کیا۔ ایک طریق تو وہ عبارت تھی جو ان میں مرقوم تھی۔ دوسرا طریق بالمشافہہ روایت تھی، جس کا سلسلہ کہیں ٹوٹنے نہیں پایا تھا۔

خلاصہ یہ کہ ان مرقوم رسالوں کا وضعِ حدیث کے ساتھ کچھ تعلق نہیں۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ جو خط عہدِ رسالت میں تحریر کیا گیا ہو اس سے یہ کیوں کر ثابت ہوا کہ روایات کی عدم موجودگی میں جھوٹے خطوط بھی وضع کر لیا کرتے تھے۔ نیز یہ کہ جن لوگوں نے مختلف احکام سے متعلق حدیثیں وضع کر لی تھیں وہ زکوٰۃ کے بارے میں چند حدیثیں کیوں نہ وضع کر سکے؟ اور ان کو جعلی خطوط وضع کرنے کی ضرورت کیوں کر پیش آئی؟ اور اگر کسی مسئلہ کے بارے میں متعدد نصوص منقول ہوں اور ان میں سے کسی ایک نص کی صحت کے بارے میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اس کا یہ مطلب

کیوں کر ہو سکتا ہے کہ ہر نقص ہی موضوع اور بے بنیاد ہے۔

جہاں تک اس واقعہ کا تعلق ہے کہ شمالی اور جنوبی عربوں کے مابین جدال و نزاع برپا ہوا تھا۔ اور انہوں نے اس دستاویز کی تائید کی تھی، جو تبع تامی حاکم کے زمانہ میں لکھی گئی تھی یہ ایک عجیب ترین بات ہے۔ لوگ عموماً سہل انگاری کے عادی ہوتے ہیں۔ البتہ جو چیز رسول کریم کے ساتھ وابستہ اور ان کی طرف منسوب ہو اس کو دیکھ کر آنکھیں کھل جاتی ہیں اور طلب و تحقیق کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ یہ ایک دینی کام ہے اور کوئی شخص خدا کے دین کو وہم و ظن اور ذاتی خواہش کی بناء پر قبول نہیں کر سکتا۔ علاوہ ازیں جن لوگوں نے اس دستاویز کو قبول کیا تھا، جو شمالی اور جنوبی عربوں کے نزاع کے سلسلہ میں لکھی گئی تھی وہ محدث نہ تھے۔ پھر اس واقعہ کا موضوع زیر بحث کے ساتھ کیا تعلق؟

سچ بات یہ ہے کہ گولڈزیہر علم و ادب کے معاملہ میں حد درجہ بے حیا واقع ہوا ہے۔ آپ دیکھ چکے ہیں کہ وہ ایک جھوٹ تصنیف کرتا ہے۔ پھر اس کے لیے ایک اساس و بنیاد تعمیر کرتا ہے۔ پھر ادھر ادھر سے ایسے دلائل و شواہد ڈھونڈتا ہے جن سے یہ وہم پڑتا ہے کہ وہ اس کے دعویٰ کے موید ہیں۔ وہ پوری بے باکی اور ڈھیٹ پن کے ساتھ جھوٹی عبارتیں نقل کرتا ہے۔ ان کے فہم و ادراک میں مغالطہ دینے کی کوشش کرتا ہے۔ جو دلیل نہیں ہے، اس کو دلیل و برہان کے طور پر پیش کرتا ہے۔ قطعی دلیل جب اس کے منشا کے خلاف ہو اس سے اعراض کرتا ہے۔

مستشرق مذکور کے ضدی متعصب اور بعید از انصاف ہونے کی اس سے بڑھ کر دلیل کیا ہوگی کہ وہ نصوص قاطعہ کو جن کی صحت پر سب علماء متفق ہوتے ہیں رد کر دیتا ہے اور ایسے خود ساختہ دلائل و براہین پر عمل کرتا ہے۔ جو حیاۃ الحیوان دمیری الف لیلہ العقد الفرید الاغانی اور اس قسم کی کتب ادب سے ماخوذ ہوتے ہیں، جن میں ہر قسم کا رطب و یابس اور صحیح و سقیم مواد موجود ہوتا ہے۔ یہ اس قوم کی حالت ہے جس کا دعویٰ یہ ہے کہ اس نے اپنے آپ کو علم کیلئے وقف کر رکھا ہے۔ یہ ہیں وہ لوگ جن کو احمد امین اور دیگر منکرین حدیث نے اپنا رہنما و پیشوا بنایا ہوا ہے اور تکذیب صحابہ، تذلیل تابعین اور نقد و جرح کے میدان میں ہمارے علماء پر حملہ آور ہونے

Marfat.com

میں ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں۔

سُبْحَانَكَ تَهْدِیْ مَنْ تَشَاءُ وَتُضِلُّ مَنْ تَشَاءُ۔ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا۔

Marfat.com

باب سوم

(مشتمل بر فصول سہ گانہ)

فصل اوّل :

قرآن وحدیث کا باہم منصب و مقام

فصل دوم :

قرآن کریم حدیث پر کیوں کر مشتمل ہے ؟

فصل سوم

نسخ السنۃ بالقرآن و نسخ القرآن بالسنۃ

Marfat.com

Marfat.com

فصل اوّل

قرآن و حدیث کا باہم منصب و مقام

خداوند کریم نے قرآنِ عزیز کو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر اہل ایمان کی رہنمائی کے لیے ایک دستور و آئین بنا کر نازل کیا۔ یہ ان لوگوں کے لیے نسخۂ شفا ہے جن کی صحت مندی بارگاہ ایزدی میں مطلوب ہے۔ یہ طالبانِ فلاح و سعادت کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ قرآن کریم انواع و اقسام کے غایات و مقاصد پر مشتمل ہے جن کے لیے انبیاء کو مبعوث کیا گیا تھا۔ اس میں احکام و شرائع بھی ہیں ترغیب و ترہیب بھی اور قصص و توحید بھی۔ اجمالاً و تفصیلاً اس کی صحت قطعی و حتمی ہے۔ جو شخص اس کی ایک آیت ایک کلمہ یا کسی ایک حرف کو بھی شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتا ہے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ دین الٰہی کے احکام کا فہم و ادراک حاصل کرنے والے کی اولین و اساسی ضرورت یہ ہے کہ وہ احکام خداوندی کو جانے پہچانے اور جو قوانین و دساتیر اس نے اپنے بندوں کے لیے مشروع کیے ہیں ان کا علم و ادراک حاصل کرے۔

عصرِ صحابہ میں مسلمانوں نے اس کو بالمشافہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اخذ کیا اور نقلِ متواتر کے ساتھ یہ اگلے تاریخی ادوار تک منتقل ہوتا رہا۔ قرآنِ حکیم کو لوگوں تک پہنچانے کے سوا پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذمہ ایک فریضہ اور بھی تھا۔ اور وہ اس کتاب کی شرح و توضیح اس کی آیات کی تفسیر مجمل احکام کی تفصیل اور قواعد عامہ کی تشریح ہے۔

نظر بریں قرآن فہمی کی ضرورت و اہمیت کے پیش نظر صحابہ کرام سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی توضیحات و تصریحات کے محتاج تھے۔ قرآن کریم کا فہم و ادراک آنحضورؐ کی تشریح و تفسیر کے بغیر ممکن نہیں۔ اسی طرح قرآن حکیم کی آیاتِ احکام کا مقصد بھی آپ کی جانب رجوع کیے بغیر معلوم نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے کہ کتابِ ربانی آپ پر نازل ہی اس لیے کی گئی تھی کہ آپ اس کے مطالب کو کھول کر بیان فرما دیں۔

Marfat.com

یہی وجہ ہے کہ اہل اسلام گمراہ فرقوں کو چھوڑ کر شروع سے لے کر آج تک اس مسئلہ پر متفق رہے ہیں کہ حدیث رسولؐ قولی ہو یا عملی یا تقریری دین اسلام کے ان مصادر میں سے ہے جس سے حلال وحرام کی پہچان حاصل کرنے کے لیے کوئی دین دار آدمی بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ سابقہ فصول میں ہم قرآن وحدیث کے دلائل وبراہین سے اس حقیقت کو الم نشرح کر چکے ہیں اب ہم اس امر کو زیر بحث لانا چاہتے ہیں کہ قرآن کریم کے مقابلہ میں حدیث نبوی کو کیا اہمیت حاصل ہے؟ کیا ان دونوں کی حیثیت بالکل مساوی ہے یا حدیث کا مرتبہ قرآن کریم کے بعد ہے؟

اس میں شک نہیں کہ قرآن کریم کے الفاظ قطعی الثبوت ہیں۔ البتہ اثباتِ احکام کے اعتبار سے قرآن کریم دو قسموں میں منقسم ہے۔ (۱) قطعی الدلالت (۲) ظنی الدلالت۔

جہاں تک حدیث کا تعلق ہے احادیث متواترہ قطعی الثبوت ہیں۔ اور غیر متواترہ ظنی الثبوت ان دونوں کی پھر دو دو قسمیں ہیں۔ قطعی الثبوت کی دو قسمیں ہیں (۱) قطعی الدلالت (۲) ظنی الدلالت۔ اسی طرح ظنی الثبوت کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) قطعی الدلالت (۲) ظنی الدلالت۔

یہ بھی درست ہے کہ قطعی الثبوت بہر دو صنف، ظنی الثبوت بہر دو نوع سے ہر حال میں مقدم ہے۔ اس سے یہ حقیقت روشن ہوئی کہ سنت کا مرتبہ قرآن حکیم کے بعد ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حدیث یا تو قرآن کریم کی تشریح پر مشتمل ہوگی یا اس پر کسی بات کا اضافہ کرے گی۔ مفسر قرآن ہونے کے اعتبار سے بھی حدیث کو دوسرا درجہ حاصل ہوگا۔ اس لیے کہ جس چیز کی وہ توضیح کر رہی ہے وہ اولیت کے درجہ کی حامل ہوگی۔ کیونکہ وہ اساس ہے جس پر تفسیر وتوضیح کی عمارت اٹھائی جا رہی ہے۔ اور اگر حدیث میں کوئی ایسی بات بیان کی گئی ہے، جو قرآن میں نہیں ہے تو یہ اسی صورت میں قابل تسلیم ہوگی جب قرآن میں موجود نہ ہو۔ اس سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ کتاب الٰہی حدیث کے مقابلہ میں مقدم ہے۔

تقدیم کتاب کے سلسلہ میں یہ عقلی دلیل ہے۔ متعدد اخبار وآثار سے بھی یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً حضرت معاذؓ بن جبل کی حدیث جس کو ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا تھا کہ جب کوئی نیا مسئلہ پیش

Marfat.com

آئے گا تو اس کا فیصلہ کیوں کر کریں گے ؟ حضرت معاذ نے جواب دیا " کتاب خداوندی کی روشنی میں " فرمایا اگر اس میں نہ ملے تو ؟ معاذ نے عرض کیا " پھر سنتِ رسول کے مطابق فیصلہ کروں گا فرمایا ، اگر سنت میں بھی اس کا حلّ موجود نہ ہو تو پھر ؟ عرض کیا " اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا "

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک مکتوب بنام قاضی شُریح میں تحریر فرمایا تھا " جب کوئی معاملہ پیش آئے تو کتابِ خداوندی کی روشنی میں فیصلہ کیجئے ۔ اگر کتاب میں اس کا حل نہ ملے تو سنتِ رسول کے مطابق اس کا فیصلہ کیجیے ۔ ایک روایت کے مطابق یوں فرمایا کہ " جب کتاب اللہ میں اس کا حل مل جائے تو دوسری چیز کی طرف نظر اُٹھا کر بھی نہ دیکھیے نہ کسی سے دریافت کیجئے ۔ جو بات قرآن کریم میں نہ ملے اس ضمن میں سنتِ رسولؐ کی پیروی فرمایا کیجئے "

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جب تم میں سے کسی کو کوئی نیا مسئلہ درپیش ہو تو کتابِ خداوندی کے مطابق فیصلہ صادر کرے ۔ اگر کتاب اللہ میں موجود نہ ہو اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں کچھ ارشاد فرمایا ہو تو اس پر عمل کرے "

ہم قبل ازیں اس پر روشنی ڈال چکے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کا طریق کار یہ تھا کہ جب کوئی نیا واقعہ پیش آتا تو وہ قرآن کریم میں اس کا حل دیکھتے ۔ اگر اس میں نہ ملتا تو سنتِ رسول میں تلاش کرتے ۔ صحابہ تابعین اور ائمہ مجتہدین سے بکثرت تائیدی اقوال اس ضمن میں منقول ہیں ۔

تقدیم کتاب کے سلسلہ میں ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ ان علماء کے نظریات سے متصادم ہے جو سنت کو قاضی علی الکتاب مانتے ہیں ۔ وہ اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ قرآن میں جو احکام مجمل ہوتے ہیں ، سنت اُن کو کھول کر بیان کرتی ہے ۔ اسی طرح قرآن کے مطلق احکام کو مقید اور عام کی تخصیص کرتی ہے ۔ اس لیے ظواہر کتاب کو چھوڑ کر سنت کی جانب رجوع ناگزیر ہے ۔ گاہے نص قرآن میں دو باتوں کی گنجائش ہوتی ہے اور حدیث دونوں میں سے ایک کی تعیین کر دیتی ہے اندریں صورت آیت قرآنی کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کیا

Marfat.com

جاتا ہے۔

اس کی مثال میں ہم آیت سرقہ پیش کر سکتے ہیں۔ اس آیت سے مستفاد ہوتا ہے کہ ہر چور کا ہاتھ کاٹ دینا چاہیے۔ مگر حدیث نے اس کی یوں تخصیص کر دی کہ چور کا ہاتھ اس صورت میں کاٹا جائے گا جب وہ محفوظ مال چرائے گا۔ مزید برآں اس آیت میں ہاتھ کاٹنے کا ذکر کیا گیا ہے اور ہاتھ کا اطلاق انگلیوں سے لے کر کہنیوں تک پر کیا جاتا ہے۔ حدیث نے واضح کیا کہ یہاں ہاتھ سے مراد وہ حصہ ہے جو انگلیوں سے لے کر کلائی کے شروع ہونے تک ہے۔ علیٰ ھٰذا القیاس جن آیات میں زکوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے اس میں بلا استثناء مال کی سب قسمیں شامل ہیں۔ حدیث نبوی نے زکوٰۃ کے حکم کو مال کی چند قسموں کے ساتھ مخصوص کر دیا۔ قرآن حکیم نے "وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ"۔ (النساء) "کہہ کر حرام رشتوں کے علاوہ باقی عورتوں سے نکاح کی اجازت دے دی۔ حدیث نے اس عموم کو محدود کر دیا اور بتایا کہ پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی کو بہ یک وقت نکاح میں نہیں رکھا جا سکتا۔

ان قرائن و امثلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث نبوی کتاب اللہ سے یا تو مقدم ہے ورنہ کم از کم مساوی ضرور ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ امثلہ مذکورہ صدر میں حدیث نے منشاء خداوندی کو صرف واضح کیا ہے۔ آیت سرقہ کی توضیح میں بتایا کہ قطعِ ید سے کہنیوں تک ہاتھ کاٹنا مراد نہیں۔ نیز یہ کہ سارق سے مراد وہ چور ہے، جس نے محفوظ مال چرایا ہو۔ تو گویا حدیث نے کسی نئے حکم کو ثابت نہیں کیا، بلکہ قرآن میں جو حکم مجملاً وارد ہوا تھا اس کو کھول کر بیان کر دیا۔ حدیث کے قاضی علی الکتاب ہونے کے معنی بھی یہی ہیں۔ یہاں قاضی سے مراد توضیح و تشریح کرنے والی ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ حدیث نبوی قرآن سے مقدم ہے۔

بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت معاذ کی روایت پر جرح و قدح کی گئی ہے۔ امام ترمذی کہتے ہیں "یہ حدیث کسی دوسری سند کے ساتھ منقول نہیں۔ اس کی سند بھی متصل نہیں ہے"۔ جوزجانی کہتے ہیں "کہ یہ حدیث موضوع اور باطل ہے لہٰذا اس پر کسی دینی قاعدہ کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی"۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابو بکر و عمر و ابن مسعود و ابن عباس اور دیگر اکابر صحابہ کے عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس روایت کو صحیح تصور کرتے ہیں اسی طرح علمائے سلف کا اس حدیث پر اعتماد

Marfat.com

اس امر کو واضح کرنے کے لیے کافی ہے کہ ان کے نزدیک یہ روایت صحیح اور معمول بہا ہے۔

اس امر میں شبہ کی کوئی مجال نہیں کہ چونکہ ثابت ہونے کے اعتبار سے اخبارِ آحاد کے راستہ میں بہت سے ظنون و توہمات حائل ہیں اس لیے من حیث الثبوت ان کا درجہ قرآنِ کریم کے بعد ہے۔ البتہ اگر اجتہاد اور فہمِ نصوص کو دیکھا جائے تو نصوصِ قرآنی پر عمل کرنے سے پہلے سنت کی طرف رجوع ازبس ناگزیر ہے اس لیے کہ ہو سکتا ہے حدیث کسی آیت کی تخصیص و تقیید کرتی ہو یا کسی اور طریقہ سے نصِ قرآنی کی تشریح و توضیح کرتی ہو۔ اس پہلو کے پیشِ نظر احادیث قرآن کریم کے ساتھ مساوی درجہ رکھتی ہیں۔ کیونکہ نصِ حدیث کا نصِ قرآنی کے ساتھ تقابل کیا جاتا ہے اور دونوں کے مابین جمع و تطبیق کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ اس صورت میں ہوتا ہے جب آیت و حدیث میں باہم تعارض نظر آتا ہو۔ یہ ایسی بات ہے کہ حدیث کو حجت قرار دینے والا کوئی شخص اس سے انکار نہیں کر سکتا۔

کیا حدیث مستقل ماخذِ تشریع ہے؟

علماء کے یہاں یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ حدیث کی تین قسمیں ہیں:

(۱) وہ احادیث جو قرآنی احکام کی مؤید اور اجمال و تفصیل میں ان کے موافق ہوں۔ مثلاً وہ احادیث جن سے نماز روزہ، حج اور زکوٰۃ کی فرضیت معلوم ہوتی ہے مگر ان کے شرائط و ارکان سے بحث نہیں کرتیں۔ یہ احادیث ان آیات کے موافق و مطابق ہیں جن میں ارکان کا حکم دیا گیا ہے۔ جیسے یہ حدیث کہ اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر رکھی گئی ہے۔ نماز قائم کرنا۔ زکوٰۃ ادا کرنا۔ ماہ رمضان کے روزے۔ خانہ کعبہ کا حج اور اس بات کی شہادت کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں۔ یہ حدیث آیاتِ قرآنی:

"وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ" (البقرہ۔۸۳)

نیز "كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ" (البقرۃ۔۱۸۳) و آیت:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۝ (آل عمران۔۹۷) سے ہم آہنگ ہے۔

اسی طرح حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم:

Marfat.com

"ایک مسلم کا مال اسی صورت میں حلال ہے جب وہ بخوشی خاطر کسی کو عطا کرے"

مندرجہ ذیل آیت قرآنی کے مطابق ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا

(النساء -19)

(۲) - دوسری قسم کی وہ احادیث ہیں جو قرآنی احکام کی وضاحت کرتی ہوں جن سے قرآن کے مطلق احکام کی تقیید مجمل کی تفصیل اور عام احکام کی تخصیص ہوتی ہے - مثلاً وہ احادیث جن میں نماز زکوٰۃ روزہ، حج، خرید و فروخت اور معاملات سے متعلق احکام کی تخصیص بیان کی گئی ہے - اکثر احادیث اسی قسم سے تعلق رکھتی ہیں -

(۳) - تیسری قسم کی احادیث وہ ہیں جو ایسے احکام پر دلالت کرتی ہوں، جن سے قرآن خاموش ہے اور نفیاً یا اثباتاً کسی طرح بھی ان کا ذکر نہیں کرتا - مثلاً وہ احادیث جن میں ذکر کیا گیا ہے کہ پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی سے بہ یک وقت نکاح نہیں کیا جا سکتا - یا وہ احادیث جن میں شفعہ کے احکام مذکور ہیں - یا وہ احادیث جن سے شادی شدہ زانی کو سنگسار کرنے اور غیر شادی شدہ کو جلا وطن کرنے دادی کی وراثت اور اس قسم کے دیگر احکام پر روشنی ڈالی گئی ہے -

حدیث کی پہلی دو قسموں کے مابین علماء کے یہاں کوئی نزاع نہیں پایا جاتا - بلاشبہ ایسی احادیث سے احکام کا اثبات ہوتا ہے اور ان کی تعداد دیگر احادیث کے مقابلہ میں زیادہ ہے - البتہ تیسری قسم کی احادیث جن سے ایسے احکام ثابت ہوتے ہیں جن کا نفیاً و اثباتاً قرآن میں کوئی ذکر نہیں ہے علماء کے یہاں متنازعہ فیہا ہیں - سوال یہ ہے کہ اس قسم کی احادیث سے احکام کا اثبات کیوں کر ہوتا ہے؟ کیا یہ احادیث بذاتِ خود مستقلاً جدید احکام کی مثبت ہیں یا اس لیے کہ یہ احادیث نصوصِ قرآن کے تحت داخل ہیں اگرچہ بنا بر تاویل ہی کیوں نہ ہوں

امام شاطبی مصنف "موافقات" اور دیگر علماء نے دوسرا پہلو اختیار کیا ہے - بخلاف ازیں جمہور پہلے مذہب کے قائل ہیں - ہم پہلے امام شافعی کی عبارت نقل کرتے ہیں - پھر اس کی تشریح کریں گے -

Marfat.com

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :-

" اہل علم کے یہاں اس بات میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ احادیث نبویہ کی تین قسمیں ہیں۔ دو قسموں کے بارے میں ان کے یہاں کامل اتفاق پایا جاتا ہے اور تیسری میں اختلاف ہے۔

(۱) قرآن مجید میں ایک حکم موجود ہو اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی مزید تائید وحمایت فرمادیں۔

(۲) قرآن کریم میں ایک حکم اجمالاً بیان کیا گیا ہو اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو کھول کر بیان فرمادیں۔

حدیث کی مذکورہ بالا دونوں قسموں میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔

(۳) تیسری قسم کی وہ احادیث ہیں جن میں ایسا حکم بیان کیا گیا ہو جو قرآن میں سرے سے مذکور ہی نہیں۔

اس کے بارے میں علماء سے حسب ذیل اقوال منقول ہیں :

اوّل :- علماء کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اطاعت کو ضروری قرار دیا ہے۔ اس لیے آپ ایسی باتوں کا حکم صادر فرما سکتے ہیں، جو قرآن میں مذکور نہیں ہیں۔

دوم :- بعض علماء کا قول ہے کہ آپ اسی بات کا حکم دیتے ہیں جس کی اصل واساس کتاب الٰہی میں موجود ہوتی ہے۔ مثلاً یہ کہ قرآن نے نماز کا حکم دیا اور آپ نے اس کی رکعات بتادیں اسی طرح قرآن نے آیت "وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ" (البقرۃ - ۲۷۵) میں بیع کا ذکر کیا اور رسول کریم نے بیع کی قسمیں بیان کردیں۔

سوم :- بعض علماء کہتے ہیں کہ آپ نے یہ احکام اللہ تعالیٰ کے ایک خصوصی پیغام کی بناء پر مقرر کیے تھے۔

چہارم :- علماء کی ایک جماعت کے نزدیک آپ نے القاءِ ربانی کی بناء پر یہ احکام صادر فرمائے تھے۔

تیسری قسم میں جو اختلاف پایا جاتا ہے وہ اس بارے میں نہیں کہ آیا ایسی احادیث موجود بھی ہیں یا نہیں ؟ بخلاف ازیں نوعیت اختلاف یہ ہے کہ آیا احادیث مستقل ماخذِ تشریع ہیں یا کہ

قول اوّل و دوم رسوم کے قائلین کا خیال ہے؟ یا نصوصِ قرآن کے تحت داخل ہونے کی وجہ سے احکام کا اثبات کرتی ہیں؟ دوسرے قول کے قائلین کا یہی نقطۂ نگاہ ہے۔

حدیث کو مستقل ماخذِ تشریع قرار دینے والوں کے دلائل

پہلی دلیل:

چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم معصوم عن الخطاء تھے، اس لیے یہ بات عقلاً بالکل درست ہے کہ حدیث نبوی مستقل ماخذِ تشریع ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو اس بات کا حکم دے سکتے ہیں کہ وہ لوگوں تک اس کے احکام پہنچا دیں خواہ وہ احکام کتاب میں مذکور ہوں یا نہ ہوں جب عقلاً اس میں کوئی استحالہ نہیں اور سب کے نزدیک واقعتہً آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے احکام اس طرح پہنچائے بھی تھے۔ تو پھر ہم کیوں کر اس کے قائل نہ ہوں؟

دوسری دلیل:

دوسری دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم کی جن آیات سے رسول کریم کے فرمودہ اوامر و نواہی کی اطاعت کا وجوب ثابت ہوتا ہے وہ عام ہیں اور ان میں ایسی کوئی تفصیل موجود نہیں کہ آپ کا قول آیت قرآنی کی وضاحت یا تائید کرتا ہو یا ایک ایسی چیز کے ذکر و بیان پر مشتمل ہو جو قرآن میں سرے سے مذکور ہی نہیں۔ بلکہ بعض آیات سے مستفاد ہوتا ہے کہ آپ مستقل احکام بھی صادر فرما سکتے ہیں۔ مثلاً یہ آیت کریمہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ۔	اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اپنے میں سے اصحاب امر کی اگر تمہارے یہاں کسی بات میں جھگڑا ہو تو اُسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو۔

(النساء۔ ۵۹)

اللہ کی طرف لوٹانے سے مراد اس کی کتاب کی طرف لوٹانا ہے۔ اور رسول کی جانب رجوع کرنے کا مطلب آپ کی وفات کے بعد ان کی حدیث کی طرف رجوع کرنا ہے۔

Marfat.com

قرآن کریم میں فرمایا :

وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ" اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی

(المائدہ - ۵۹)

قرآن کریم میں جہاں جہاں بھی اطاعتِ رسول کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ ملا کر بیان کیا گیا ہے وہاں اطاعتِ خداوندی سے وہ اوامر و نواہی مراد ہیں جو قرآن میں مذکور ہیں - اسی طرح اطاعتِ رسول سے وہ مسائل و احکام مراد ہیں جو آنحضورؐ نے صادر فرمائے اور قرآن میں نہیں پائے جاتے - اس لیے کہ اگر وہ قرآن میں موجود ہوتے تو ان کی اطاعتِ خداوندی میں شمار کیا جاتا -

قرآن عزیز میں فرمایا :

فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِہٖ اَنْ تُصِیْبَھُمْ فِتْنَۃٌ۔ جو لوگ اس کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں انہیں ڈرنا چاہیے کہ کہیں وہ عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں -

(سورۃ النور - ۶۳)

اس آیت میں رسول کریم کی خصوصی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے - اس سے وہ سنت مراد ہے جو قرآن میں مذکور نہ ہو -

قرآن میں فرمایا :

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ - جو رسول کی اطاعت کرتا ہے اس نے خدا کی اطاعت کی - (النساء - ۸۰)

وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا - رسول جو کچھ تمہیں دے وہ لے لو اور جس بات سے منع کرے اس سے باز رہو -

(الحشر - ۷)

فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ - (النساء - ۶۵) تیرے رب کی قسم وہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے تنازعات میں آپ کو حکم نہ بنائیں -

Marfat.com

یہ آیت کریمہ رسول کریمؐ کے ایک فیصلے کے بارے میں نازل ہوئی۔ آپ نے فیصلہ فرمایا تھا کہ حضرت زبیر جھگڑا کرنے والے انصاری سے پہلے اپنے کھیت کو سیراب کر لیں یہ فیصلہ قرآن کریم میں مذکور نہیں۔

قرآنی دلائل سے یہ حقیقت اجاگر ہوتی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اوامر و نواہی قرآن کریم کے بیان کردہ احکام کے زمرہ میں شامل اور ان کے ساتھ ملحق ہیں۔ لہٰذا وہ قرآن سے زائد ہیں اور صراحتہً اس میں بیان نہیں کیے گئے۔

(الموافقات، ج ۴۔ ص ۱۴)

تیسری دلیل:

احادیث کثیرہ سے ثابت ہوتا ہے کہ شریعت دو مصادر سے ماخوذ ہے۔ (۱) کتاب (۲) سنّت۔

ظاہر ہے کہ حدیث میں وہ احکام بھی ہوتے ہیں جو قرآن میں نہیں اور حدیث میں بیان کردہ احکام بھی اس طرح واجب التعمیل ہیں، جیسے قرآنی احکام و اوامر۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"عین ممکن ہے کہ ایک شخص تم میں سے کہے یہ خدا کی کتاب ہے۔ اس میں جس چیز کو حلال پاؤ اسے حلال سمجھو اور جس کو حرام پاؤ اسے حرام تصور کرو جس شخص کو کوئی میری حدیث پہنچی اور اس نے اس کی تکذیب کی تو اس نے اللہ اور اس کے رسول اور حدیث کے راوی کو جھٹلایا" (طبرانی فی الاوسط)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حدیث میں ایسے احکام بھی مذکور ہوتے ہیں جو قرآن میں نہیں ہوتے،

چوتھی دلیل:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

"ہمارے پاس کتاب اللہ کے سوا اور کچھ نہیں یا فہم و شعور ہے جو خدا کسی کو ودیعت کر دے یا جو کچھ میرے اس رسالہ میں ہے" (الموافقات، ج ۴۔ ص ۱۰)

حدیث معاذ میں ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا "آپ کیسے فیصلہ

کریں گے"؟ حضرت معاذ نے عرض کیا کتاب اللہ کی روشنی میں"۔ فرمایا "اگر اس میں موجود نہ ہو تو پھر"؟ عرض کیا "سنّتِ رسول کے مطابق"۔

یہ حدیث ببانگِ دہل پکار پکار کہہ رہی ہے کہ حدیث میں ایسے احکام بھی مندرج ہوتے ہیں جو قرآن میں نہیں ہوتے۔ بعض علماء کا مشہور مقولہ ہے:

"قرآن کریم نے حدیث کے لیے گنجائش باقی چھوڑی ہے اور حدیث نے قرآنِ عزیز کے لیے"۔ (الموافقات، ج ۴۔ ص ۱۶)

منکرین استقلال کے دلائل:

جن علماء کے نزدیک حدیث نبوی مستقل ماخذِ تشریع نہیں ہے۔ وہ امام شاطبی کے قول کے مطابق حسب ذیل دلائل پیش کرتے ہیں۔

سنت اپنے معنی و مفہوم کے اعتبار سے راجع الی الکتاب ہے۔ اس لیے کہ حدیث مجملات قرآن کی تفصیل پیش کرتی ہے۔ اس کے مشکلات کی توضیح کرتی اور اس کے مختصرات کو کھول کر بیان کرتی ہے۔

قرآن کریم میں فرمایا:۔

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ۔ (النحل۔۴۴)

اور ہم نے آپ کی طرف قرآن نازل کیا ہے تاکہ آپ اس چیز کی وضاحت کر دیں جو ان کی طرف اتاری گئی ہے۔

مزید برآں جن آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن شریعتِ اسلامیہ کا ضابطہ کلیہ اور سرچشمہ ہے ان سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ حدیث مستقل ماخذِ تشریع نہیں ہے۔

قرآن کریم میں فرمایا:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۔ (القلم۔ ۴)

آپ عظیم اخلاق کے مالک ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ کے اخلاق و عادات قرآن پر مبنی تھے اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے اقوال و افعال اور تقریرات سب قرآن سے ماخوذ تھے۔ اس لیے کہ

Marfat.com

خلق ان امور میں محصور و محدود ہے۔ نیز اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو "تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ" فرمایا ہے۔ اس سے لازم آتا ہے کہ حدیث فی الجملہ قرآن میں شامل ہے۔

قرآن کریم میں فرمایا:

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ — ہم نے کتاب میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔

(الانعام-۳۸)

دوسری جگہ ارشاد ہوا:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ — آج کے دن میں نے تمہارا دین کامل کر دیا

(المائدہ-۳)

خلاصہ یہ کہ سنت دراصل قرآن کریم کی توضیح و تشریح پر مبنی ہے۔ سنت کے راجع الی الکتاب ہونے کے معنی یہی ہیں۔ استقراءِ تام سے بھی یہ حقیقت اجاگر ہوتی ہے۔

فریق ثانی نے فریق اوّل کے پیش کردہ دلائل و براہین کے جو جوابات دیئے ہیں ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

(الف)۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ حدیث نبوی قرآن کی شارح و ترجمان ہے۔ جن آیات سے واضح ہوتا ہے کہ اطاعتِ خداوندی کے ساتھ ساتھ اطاعتِ رسول بھی ضروری ہے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ رسول کریم نے قرآن کی جو شرح و توضیح کی ہے اسے تسلیم کیا جائے۔ جس شخص نے رسول کی پیش کردہ تفسیر پر عمل کیا اس نے مرادِ خداوندی کی پیروی کی۔ اور اس نے رسول کریم کی شرح و تفسیر پر بھی عمل کیا۔ اور اگر وہ شخص آپ کی تفسیر پر عمل نہ کرتا تو وہ خدا کی نافرمانی کا بھی مرتکب ہوتا۔ اس لیے کہ اس نے منشاءِ خداوندی کی خلاف ورزی کی۔ اور اس نے رسول کی نافرمانی اس اعتبار سے کی کہ آپ کی شرح و تفسیر کو ٹھکرا دیا۔ اطاعتِ خداوندی اور اطاعتِ رسول کو الگ الگ بیان کرنے کے یہ معنی نہیں کہ دونوں مطاع بہ وجوہ مستقل ہیں۔

(ب)۔ نظر بریں آیات سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حدیث میں جو کچھ موجود ہے کتاب میں موجود نہیں۔ حضرت زبیرؓ کے بارے میں رسول کریم کے جس فیصلے کا ذکر انہوں نے کیا ہے، اس ضمن میں ان کا یہ دعویٰ بے بنیاد ہے کہ قرآن میں یہ فیصلہ مذکور نہیں۔ بخلاف ازیں یہ فیصلہ

Marfat.com

قرآن کریم کے احکام و نصوص میں شامل تھے۔ جیسا کہ آگے چل کر ہم اس پر روشنی ڈالیں گے۔ ہم یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ حدیث میں کچھ احکام قرآن سے زائد بھی ہوتے ہیں۔ مگر ان کے زائد ہونے کے یہ معنی نہیں کہ قرآن میں سرے سے ان کا ذکر ہی نہیں کیا گیا۔ بلکہ یہ بایں معنی زائد ہے جیسے شرح مشروح سے زائد ہوتی ہے۔ اگر شرح اصل سے زائد نہ ہو تو اس کے شرح ہونے کا کوئی مطلب ہی نہیں۔ درحقیقت یہ اضافہ نہیں ہے۔ مقدامؓ بن معدیکرب کی مذکورہ صدر روایت کا جواب انہوں نے یہ دیا ہے کہ اس کی سند میں زید بن الحباب ضعیف راوی ہے امام احمد اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ زید راست گفتار ہے مگر کثیر الخطأ ہے۔ ابن حبانؒ بھی اسی طرح فرماتے ہیں۔ زید نے سفیان سے جو احادیث روایت کی ہیں۔ ابن حبان نے اس پر نقد و جرح کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بخاری و مسلم نے زید کی مرویات کو اپنی کتب میں جگہ نہیں دی۔

نزاعِ لفظی :

فریقین کے باہمی اختلاف کا خلاصہ یہ ہے کہ دونوں کے نزدیک حدیث میں ایسے احکام مذکور ہوتے ہیں جو قرآن میں صراحتہً مذکور نہیں۔ پہلا فریق کہتا ہے کہ مستقل ماخذ تشریع ہونے کا مطلب بھی یہی ہے کہ حدیث سے ایسے احکام کا اثبات ہوتا ہے جو قرآن میں مذکور نہیں ہوتے دوسرا فریق تسلیم کرتا ہے کہ اگرچہ ایسے احکام صراحتہً و عبارتہً قرآن میں مذکور نہیں۔ تاہم وہ کسی نہ کسی طرح نصوصِ قرآن کے زمرہ میں شمار ہوتے ہیں۔ بنا بریں وہ کہتے ہیں کہ کسی صحیح حدیث سے کوئی ایسا حکم ثابت نہیں ہوتا جو قرآن میں وارد نہ ہو۔ بخلاف ازیں وہ کسی نص یا قاعدہ کے تحت ضرور داخل ہوتا ہے۔ اگر کوئی حدیث ایسی مل جائے جو اس کے مطابق نہ ہو تو وہ ضعیف اور ناقابل احتجاج ہوگی۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ فریقین کے مابین اس مسئلہ میں صرف نزاعِ لفظی پایا جاتا ہے، دونوں فریق اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ حدیث میں بعض ایسے احکام بیان کیے جاتے ہیں جو قرآن میں مذکور نہیں ہوتے۔ دونوں میں سے ایک فریق اس کا نام استقلال رکھتا ہے اور دوسرا اس کو مستقل ماخذ تصور نہیں کرتا۔ نتیجہ دونوں کا یکساں ہے۔

Marfat.com

فصل دوم

قرآن حدیث پر کیسے مشتمل ہے؟

جب حدیث نبوی قرآن کی شارح و ترجمان ٹھہری اور قرآن بقول شاطبی حدیث میں بیان کردہ جملہ احکام و مسائل کو اجمالاً و تفصیلاً شامل ہے۔ جس کی دلیل یہ آیت ہے کہ:

"تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ" نیز "مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ"۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے؟ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے احکام قرآن میں مذکور نہیں ہیں۔

اس کی شرح و توضیح میں علماء کے پانچ نظریات ہیں۔

پہلا نظریہ:۔

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ سنت پر عمل واجب ہے۔ بنابریں سنت کے مطابق جو عمل کیا جائے گا وہ عمل بالقرآن ہوگا، یہ درست طریقہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بھی اسی کو اختیار کیا تھا۔ ایک دفعہ بنو اسد کی ایک عورت حضرت ابن مسعودؓ کے یہاں آئی اور کہنے لگی ابو عبدالرحمٰن! مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ ان عورتوں پر لعنت بھیجتے ہیں جو اپنے اعضاء کو گوڈ کر ان میں رنگ بھرواتی ہیں اور دانتوں کو باریک کروا کر اپنی صورت کو تبدیل کر لیتی ہیں۔ کہنے لگے جس پر رسول کریمؐ نے لعنت بھیجی ہو میں اس پر کیسے لعنت نہ بھیجوں؟ اور یہ کتاب اللہ میں بھی مذکور ہے۔ اس عورت نے کہا میں نے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پورا قرآن پڑھا ہے مگر یہ بات مجھے کہیں نہیں ملی۔ حضرت ابن مسعودؓ نے کہا، اگر آپ سارا قرآن تلاوت کرتیں تو آپ کو یہ آیت قرآن میں مل جاتی کہ:

وَمَا اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ — خدا کا رسول جو چیز تمہیں دے وہ لے لو اور جس سے باز رکھے اس سے رک جاؤ۔

(الموافقات، ج ۴۔ ص ۲۴ و جامع بیان العلم، ج ۲۔ ص ۱۸۹)

عبدالرحمٰن بن یزید نے ایک شخص کو حالتِ احرام میں کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تو اُسے منع کیا۔ اس نے کہا کسی آیت میں کپڑے اتارنے کا حکم دکھائیے عبدالرحمٰن نے مذکورہ صدر آیت تلاوت کی۔ (جامع بیان العلم، ج ۲۔ص

مشہور تابعی طاؤس نماز عصر کے بعد دو رکعت پڑھا کرتے تھے۔ ابن عباسؓ نے کہا ان کو چھوڑ دیجیے۔ طاؤس نے کہا ان کو عادت بنانے سے روکا گیا ہے۔ ابن عباسؓ نے کہا رسول کریمؐ نے عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع کیا ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ آپ کو ان کے پڑھنے کی وجہ سے عذاب دیا جائے گا یا اجر و ثواب ملے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ۔	کسی مومن مرد و عورت کا حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا فیصلہ صادر کر دے تو ان کے لیے کوئی گنجائش باقی رہے

دوسرا نظریہ :

علماء کا مشہور نظریہ ہے کہ کتاب خداوندی مجمل ہے اور حدیث اس کی تفصیل پیش کرتی ہے۔ مثلاً وہ احادیث جن میں مجمل احکام کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ بعض احادیث میں اعمال کی کیفیات اسباب شروط موانع ملحقات یا اس سے ملتی جلتی ہوئی باتیں بیان کی گئی ہیں۔ اسی طرح حدیث میں نمازوں کے اوقات رکوع سجود اور دیگر احکام ذکر کیے گئے ہیں۔ بعض احادیث میں زکوٰۃ کی مقادیر اوقات اور دیگر احکام پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ روزہ کے ایسے احکام بیان کیے گئے ہیں۔ جو قرآن میں صراحتہً مذکور نہیں۔ اسی طرح آپ نے مناسکِ حج، ذبیحہ نکاح خرید و فروخت اور قصاص کے احکام بیان فرمائے۔ اس قسم کے جملہ احکام آیتِ قرآنی "وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ" میں شامل ہیں۔

عمرانؓ بن حصین سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک شخص سے کہا "تم احمق آدمی ہو۔ کیا خدا کی کتاب میں یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ ظہر کی چار رکعتیں ہیں اور ان میں قراءت بلند آواز سے نہیں کی جاتی۔ پھر نماز زکوٰۃ اور دیگر احکام کا ذکر کیا اور کہا کیا یہ احکام خدا کی کتاب میں تفصیلاً مذکور ہیں؟

Marfat.com

یہ احکام خدا کی کتاب میں مجمل ہیں اور سنت ان کی تفصیل پیش کرتی ہے۔

(الموافقات، ج ۴۔ ص ۲۶ و جامع بیان العلم، ج ۲، ص ۱۹۱)

مُطرِّف بن عبداللہ سے کسی شخص نے کہا "ہمیں صرف قرآن سُنایا کرو" مُطرِّف نے یہ سُن کر کہا "ہم قرآن کے عوض کوئی اور چیز نہیں چاہتے مگر ہم اس ہستی کی طرف رجوع کرنا چاہتے ہیں جو ہم سے قرآن کا زیادہ علم رکھتی تھی" (حوالہ مذکور)

امام اوزاعی فرماتے ہیں :

"جس قدر کتاب اللہ کو سنت کی ضرورت ہے اس قدر سنت کو کتاب کی ضرورت نہیں" (جامع بیان العلم، ج ۲۔ ص ۱۹۱)

امام ابن عبدالبرؒ کہتے ہیں یعنی سنّت قاضی علی الکتاب ہے اور اس کے معنی و مطلوب کو واضح کرتی ہے۔

امام احمد سے اس حدیث کے بارے میں دریافت کیا گیا جس میں آیا ہے کہ سنت قاضی علی الکتاب ہے۔ فرمایا میں تو اس طرح کہنے کی جرأت نہیں کرتا۔ البتہ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ سنت قرآن کریم کی شرح و تفسیر پیش کرتی ہے۔

(جامع بیان العلم و الموافقات)

تیسیر انظریہ :

تیسیر انظریہ یہ ہے کہ ان معانی کلّیہ پر غور کیا جائے جو قرآنی تشریع کا مقصود ہیں اور اس کی مختلف آیات میں مذکور ہیں۔ نیز یہ کہ سنت میں جو احکام بیان کیے گئے ہیں وہ ان مقاصد و معانی سے آگے نہیں بڑھتے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ قرآن کریم انسانیت کے لیے دنیوی و اخروی فلاح و سعادت کا پیغام لے کر آیا ہے۔ انسانی سعادت تین قسم کی اشیاء میں مضمر ہے۔

(۱) **ضروریات** :۔ ان سے دین نفسِ انسانی نسل مال اور عقل کی حفاظت مراد ہے۔

(۲) **حاجیات** :۔ یہ ہر وہ چیز ہے جس سے وسعت پیدا ہوتی ہے اور تنگی و حرج کا ازالہ ہوتا ہو۔ مثلاً سفر اور بیماری کی وجہ سے روزہ افطار کرنے کی اجازت۔

Marfat.com

۳ - **تحسینات** :- یہ وہ احکام ہیں جو اخلاق و عادات سے متعلق ہوتے ہیں۔

امور سہ گانہ مذکورہ اور ان کے مکملات کو قرآن کریم نے ایسے اصول و قواعد کی حیثیت سے بیان کیا ہے کہ ان کے تحت جملہ احکام قرآنی آجاتے ہیں۔ سنت نے انہی احکام کو قدرے تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے۔ بنابریں نصوصِ حدیث کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی اصول یہی تین ہیں۔ (الموافقات ج ۴ - ص ۲۷)

چوتھا نظریہ :

قرآن کریم بعض اوقات دو متقابل حکم صادر کرتا ہے اور ہر ایک میں شبہ کی گنجائش ہوتی ہے۔ حدیث نبوی اگر پیش آمدہ حادثہ کو دونوں میں سے ایک کے ساتھ ملحق کر دیتی ہے۔ یا اس کو ایک ایسا حکم قرار دیتی ہے جو دونوں قسم کے شبہات سے ملتا جلتا ہے۔ بعض اوقات قرآن کریم کسی علت کی بنا پر ایک حکم صادر کرتا ہے۔ رسول کریم کسی چیز میں اس علت کے پائے جانے کی وجہ سے اس چیز کو بھی بطریق قیاس اس کے ساتھ ملحق فرما دیتے ہیں۔

دو متقابل حکموں کی مثالیں :

(۱) - خداوند کریم نے "طیبات" کو حلال اور "خبائث" کو حرام قرار دیا - اب وہ اشیاء باقی رہیں جن کے بارے میں قطعی طور پر یہ کہا نہیں جا سکتا کہ آیا وہ کس قسم میں شامل ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھل کر بتا دیا کہ ایسی چیزیں دونوں میں سے ایک قسم کے ساتھ ملحق ہیں چنانچہ آپ نے ان درندوں کو حرام ٹھہرایا جو ڈاڑھوں میں پکڑ کر کھاتے ہیں - اسی طرح پنجہ میں پکڑ کر کھانے والے پرندوں کو بھی محرمات میں شامل فرمایا - پالتو گدھے کے گوشت کو حرام قرار دیا - گوہ، تیتر، ٹٹیر، خرگوش اور اس قسم کے جانوروں کو طیبات میں شامل کیا۔

(۲) سمندر کے شکار کو خداوند کریم نے طیبات میں شامل کیا اور مردار کو محرمات میں جگہ دی - اب اس مسئلہ میں دقت پیش آئی کہ سمندر میں جو جانور مر جائے اس کو کس قسم میں شامل کیا جائے - چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سمندر کا پانی پاک اور اس کا مردار حلال ہے"

(ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ)

آپ نے فرمایا "ہمارے لیے دو مردار اور دو خون حلال ٹھہرائے گئے - دو مردار تو

مچھلی اور ٹڈی ہیں اور دو خون جگر اور تلی ہیں" (ابن ماجہ، حاکم، بیہقی)

(۳) - خداوند کریم نے مردار کو حرام اور ذبیحہ کو حلال قرار دیا - اب یہاں یہ سوال پیدا ہوا کہ جو بچہ ذبیحہ کے پیٹ سے بوقت ذبح مردہ ہونے کی صورت میں نکلتا ہے اس کو حلال و حرام میں سے کس کے ساتھ ملحق کیا جائے؟ اس کا فیصلہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا کہ "ماں کو ذبح کرنا اس کے بچے کو ذبح کرنا ہے" یعنی ماں کو ذبح کرنے سے وہ بچہ بھی ذبیحہ کے حکم میں ہو جاتا ہے جو اس کے شکم میں ہوتا ہے -

دو شبہات کے درمیان حکمِ خاص کی مثالیں:

(۱) - خداوند کریم نے منکوحہ اور لونڈی کو حلال اور بدکاری کو حرام ٹھہرایا - مخالفِ شرع نکاح سے خاموشی اختیار کی - اس لیے کہ وہ نہ تو نکاح محض ہے اور نہ سفاح (بدکاری) محض - سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

"جو عورت ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے وہ باطل ہے - آپ نے تین مرتبہ یہ الفاظ دہرائے - اگر مرد اس کے ساتھ مجامعت کرے تو عورت کو مہر دینا ہوگا اس لیے کہ اس مرد نے اس کو اپنے لیے حلال کیا"

(ابوداؤد - ترمذی)

(۲) - اللہ تعالیٰ نے نفس کا بدل نفس کو قرار دیا - اعضائے جسمانی میں قصاص مقرر کیا - قتل خطاء میں پاداش ادا کی جاتی ہے - اعضاء جب خطاءً کاٹے جائیں تو اس میں جو دیت ادا کی جاتی ہے وہ حدیث میں مذکور ہے - اب یہ مسئلہ باقی رہا کہ جب کوئی حاملہ عورت کو پیٹے اور اس کے پیٹ میں جو بچہ ہو وہ ساقط ہو جائے تو اس کا شرعی حکم کیا ہوگا؟ اس میں دو پہلو ہیں - ایک اعتبار سے وہ بچہ اعضائے انسانی کی مانند ہے: دوسرے لحاظ سے وہ کامل انسان ہے -

حدیث نے اس مسئلہ کو یوں واضح کیا کہ اس کی دیت ایک لونڈی یا غلام ہے - وہ دونوں قسموں میں سے کسی کے ساتھ بھی ملحق نہیں بلکہ اس کا اپنا جداگانہ حکم ہے -

الحاق بطریق قیاس کی امثلہ: (۱) - اللہ تعالیٰ نے ربا کو حرام قرار دیا - جاہلیت

Marfat.com

کاربار یہ تھا کہ قرض کی مہلت بڑھا کر اصل رقم میں اضافہ کر دیا کرتے تھے۔ قرض خواہ کہتا کہ یا تو رقم ادا کر دو۔ ورنہ رقم میں سود کو شامل کر لو۔ چونکہ اس کی حرمت کی علت یہ تھی کہ قرض کی رقم میں جو اضافہ کر دیا جاتا تھا وہ کسی چیز کے عوض میں نہیں ہوتا تھا۔ اس لیے جس چیز میں بھی یہ علت پائی جاتی تھی۔ رسول کریمؐ نے اس کو ربا میں شامل کر دیا۔ آپ نے فرمایا:

"سونے کے عوض سونا چاندی کے عوض چاندی گندم کے بدلے گندم جَو کے بدلے جَو، کھجور کے عوض کھجور نمک کے عوض نمک، جنس کے عوض جنس برابر برابر اور دست بدست۔ جس نے زیادہ دیا یا لیا اس نے سود دیا۔ جب اجناس بدل جائیں تو جیسے چاہو فروخت کرو بشرطیکہ نقد بنقد ہو" (مسلم۔ ابوداؤد۔ احمد)

(۲)۔ اللہ تعالیٰ نے دو بہنوں سے بہ یک وقت نکاح کرنے کو ممنوع قرار دیا۔ قرآن کریم میں فرمایا:

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ۔ اور ان کے سوا جو رشتے ہیں وہ تمہارے لیے حلال ٹھہرائے گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی کو بہ یک وقت نکاح میں لانے سے منع فرمایا۔ یہ بھی ایک قسم کا قیاس ہے۔ اس لیے کہ دو بہنوں کو بہ یک وقت نکاح میں لانے کے اندر جو علت تھی وہ یہاں بھی موجود ہے۔ حدیث میں اس علت کو یوں بیان فرمایا کہ:

"جب تم ایسا کرو گے تمہاری قرابت ٹوٹ جائے گی"

آپ کی بیان فرمودہ علت سے اس قیاس کی حقیقت واضح ہوتی ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے رضاعی ماں اور بہن کو حرام ٹھہرایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کے باقی رشتوں کو نسب پر قیاس کر کے حرام قرار دیا۔ مثلاً پھوپھی خالہ، بھتیجی، بھانجی اور اس قسم کے دیگر رشتے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے نسب کے جن رشتوں کو حرام ٹھہرایا تھا دودھ کے ان رشتوں کو بھی حرام قرار دیا۔

(مسلم، ترمذی، نسائی، امام شافعی)

Marfat.com

پانچواں نظریہ :

پانچواں نظریہ یہ ہے کہ سنت میں جس قدر تفصیلی احکام پائے جاتے ہیں ان کو ایسے تفصیلی احکام کی جانب لوٹایا جائے جو قرآن کریم میں پائے جاتے ہیں۔ اس کی مثالیں حسب ذیل ہیں :

(۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی، رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عمرؓ کو فرمایا کہ عبداللہؓ کو رجوع کرنے کا حکم دیں۔ حتیٰ کہ ان کی بیوی حیض سے پاک ہو جائے۔ پھر اس پر حالت حیض طاری ہو اور پھر پاک ہو جائے۔ پھر دو مرتبہ حیض سے پاک ہونے کے بعد اگر چاہے اس کو آباد کرے اور اگر چاہے مجامعت سے قبل طلاق دے دے۔ یہ وہ عدت ہے جس کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے کہ اس میں عورتوں کو طلاق دی جائے۔ وہ آیت یہ ہے :

"یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْھُنَّ لِعِدَّتِھِنَّ"

(صحاحِ ستہ بجز بخاری)

(۲) حضرت فاطمہؓ بنت قیس روایت کرتی ہیں کہ ان کے خاوند نے ان کو طلاق دے دی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ ان کو مکان دلوایا اور نہ نفقہ۔ حالانکہ مطلقہ ثلاثہ کو سکونت مہیا کی جاتی ہے اگرچہ نفقہ نہیں دیا جاتا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ فاطمہ زبان دراز تھیں اور اپنے گھر والوں کو بُرا بھلا کہا کرتی تھیں۔ فاطمہ بنت قیس کی یہ روایت اس آیت کی تفسیر ہے جس میں ارشاد فرمایا :

"وَلَا یَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ" اور وہ گھر سے نہ نکلیں مگر یہ کہ ظاہر بے حیائی کا ارتکاب کریں۔

(۳) سُبَیعہ اسلمیہؓ کا خاوند فوت ہو گیا اس کے پندرہ روز بعد سُبَیعہ کے یہاں بچہ تولد ہوا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری عدت پوری ہو گئی۔ (صحاح ستہ سوا ابوداؤد)

اس حدیث کی روشنی میں واضح ہوا کہ جس آیت میں فوت شدہ خاوند والی عورت کی عدت چار ماہ دس دن بیان کی گئی ہے اس سے مراد وہ عورت ہے جو حاملہ نہ ہو۔ نیز یہ کہ آیت کریمہ :

Marfat.com

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۔ حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے ۔

میں جملہ حاملہ عورتوں کی عدت بیان کی گئی ہے خواہ وہ مطلقہ ہوں یا کوئی اور ۔

ایسی احادیث بہت ہیں ۔ مگر قرآنی نصوص اس مقصد کو پورا نہیں کرتیں ۔ اس لیے کہ ان میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ حدیث میں بیان کردہ سب احکام کو سمیٹ سکیں ۔ اور اس کے ساتھ ساتھ نصوص میں دقتِ بیان بھی موجود ہو اور قرآنی عبارت عربی اسلوب و انداز کے اعتبار سے بھی اس کی متحمل ہو ۔

امام شاطبی فرماتے ہیں :

"حدیث نبوی میں بیان کردہ جملہ احکام کے قرآن کریم میں نہ پائے جانے کی اہم دلیل یہ ہے کہ نماز، حج، زکوٰۃ، حیض و نفاس، لقطہ، مساقات اور اس قسم کے ان گنت مسائل ایسے ہیں، جو قرآن میں تفصیلاً مذکور نہیں، جو شخص اپنے آپ پر ان کو قرآن کریم میں ثابت کرنے کی ذمہ داری عائد کرتا ہے وہ کھینچا تانی کے سوا ایسا کرنے پر قادر نہیں ہے ۔ اسے ایسا تکلف کرنا پڑے گا جو عربی اسلوب بیان میں قابل برداشت نہیں ۔ مزید براں علمائے سلف اور علم میں پختہ کار لوگ بھی اس کو قبول نہیں کر سکتے ۔" (الموافقات، ج ۴ - ص ۵۳)

یہ ہیں وہ اہم مسالک جن پر علماء یہ ثابت کرنے کے لیے رواں دواں رہے کہ قرآن کریم حدیث میں مندرج جملہ احکام کا حامل ہے ۔ بعض علماء نے ایسا عام مسلک اختیار کیا جس سے صرف یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قرآن کریم سے حدیث کا واجب التعمیل ہونا ثابت ہوتا ہے ۔

اس ضمن میں اولیٰ یہ بات کہنا ہے کہ علماء کے اختیار کردہ مسالک ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں ۔ بحیثیت مجموعی ان سے یہ تاثر ملتا ہے کہ حدیث میں مندرج احکام ——— وہ جدید ہی کیوں نہ ہوں ——— کو قرآنی نصوص کی جانب لوٹایا جائے ۔ اس طرح آیت قرآنی مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ کی تفسیر بطریق احسن پوری ہو جائے گی ۔

باقی رہیں وہ احادیث جن میں واقعات امثال اور مواعظ بیان کیے گئے ہیں تو ان میں سے

Marfat.com

بعض قرآن کریم کی تفسیر میں وارد ہوئی ہیں۔ مثلاً جن احادیث میں :

وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا" اور "فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا"

کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔ بعض احادیث وہ ہیں جن میں قرآن کی تفسیر تو بیان نہیں کی گئی مگر ان میں کسی اعتقاد و عمل کی انجام دہی کے لیے مامور نہیں کیا گیا۔ اس لیے ضروری نہیں کہ قرآن میں اس کی اصل موجود ہو۔ اس کے باوجود عبرت پذیری کے نقطۂ خیال سے وہ قرآنی قصص و واقعات کی طرح ترغیب و ترہیب کے لیے مفید ہیں۔ لہٰذا وہ قسم اوّل میں شامل ہیں۔ مثلاً حدیث میں جو گنجے مبروص اور اندھے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے یا ان تین آدمیوں کا جو واقعہ احادیث میں مذکور ہے، جنہوں نے غار میں پناہ لی تھی۔

Marfat.com

فصل سوم ۳

نسخ السنۃ بالقرآن و بالعکس

علماء کے یہاں اس میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ ایک آیتِ قرآنی دوسری آیت کی ناسخ ہو سکتی ہے۔ البتہ ابو مسلم اصفہانی کے نزدیک قرآن کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔ کتاب ھٰذا میں اس مسئلہ پر تفصیلی بحث نہیں کی جا سکتی۔

اسی طرح یہ مسئلہ بھی متفق علیہا ہے کہ ایک حدیث دوسری حدیث کو منسوخ کر سکتی ہے ایک متواتر حدیث کی ناسخ وہی حدیث ہو سکتی ہے جو متواتر ہو۔ ایک خبر واحد کو دوسری خبر واحد اور متواتر منسوخ کر سکتی ہے۔ اس کی مثال میں بکثرت احادیث پیش کی جا سکتی ہیں۔ مثلاً یہ حدیث کہ :

"میں تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا کرتا تھا، اب ان کی زیارت کیجئے۔"

(مسلم - ابوداؤد - ترمذی - ابن ماجہ)

البتہ دو باتوں میں اختلاف پایا جاتا ہے :

(۱) - کیا قرآن حدیث کو منسوخ کر سکتا ہے یا نہیں ؟

(۲) - کیا حدیث قرآن کی ناسخ ہو سکتی ہے یا نہیں ؟

ہم مذکورہ صدر دونوں مسائل پر اجمالی تبصرہ کریں گے۔ تفصیلات کے لیے کتب اصول کی جانب مراجعت کرنا چاہیے۔

نسخ السنۃ بالکتاب :

(الف) - جمہور کے نزدیک قرآن حدیث کو منسوخ کر سکتا ہے۔ اس ضمن میں چند احادیث کو بطور امثلہ پیش کیا گیا ہے۔

اس کی ایک مثال تو یہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ

پہنچے تو چند ماہ تک بیت المقدس کی جانب رُخ کر کے نماز ادا کرتے رہے۔ مگر قرآن کریم میں ایسی کوئی نص موجود نہیں جس میں بیت المقدس کو قبلہ بنانے کا حکم دیا گیا ہو۔ پھر اس کو آیتِ قرآنی :

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ (البقرۃ) — اپنا رُخ مسجد حرام کی جانب موڑ دیجیے۔

نے منسوخ کر دیا۔

اسی طرح صلح حُدَیبیہ کے موقع پر طے پایا تھا کہ جو شخص مسلمان ہو کر مدینہ پہنچے گا، اہل اسلام اس کو کفار کی طرف لوٹا دیں گے۔ پھر عورتوں کے بارے میں اس حکم کو منسوخ ٹھہرایا مبادا مشرکوں کے یہاں جا کر خواتین فتنہ میں مبتلا ہوں اور ان کی ناموس و آبرو داغدار ہو۔

قرآن میں فرمایا :

فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ (الممتحنۃ) — اگر تم ان کو مومن سمجھو تو ان کو کفار کی جانب مت لوٹاؤ۔

(ب) ۔ بخلافِ ازیں امام شافعی کے نزدیک قرآن حدیث کو منسوخ نہیں کر سکتا۔

بعض لوگ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اگر قرآن حدیث کو منسوخ کر سکتا تو رسول کے دشمن یہ کہہ سکتے تھے کہ خدا نے رسول کے حکم کو پسند نہیں کیا اس لیے اس کو تبدیل کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ بات درست نہیں اور کسی مسلم کے تصور میں بھی نہیں آ سکتی۔

اس کی صحیح علت وہ ہے جو امام شافعی نے بذاتِ خود اپنی کتاب "الرسالۃ" میں ذکر کی ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں :

"سنتِ رسولؐ کو صرف سنتِ رسول ہی منسوخ کر سکتی ہے۔ اگر رسول کریم کی کسی سنت کو تبدیل کرنا مقصود ہوتا تو اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رسول کریمؐ ہی کو اس بات سے آگاہ کرتے اور آپ بذاتِ خود بیان فرما دیتے کہ میری یہ سنت سابقہ سنّت کی ناسخ ہے۔"

امام شافعی اس کی دلیل ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"اگر یوں کہنا درست ہوتا کہ رسول کریم نے ایک سنت مقرر کی بعد ازاں قرآن

Marfat.com

عزیز نے اس کو منسوخ ٹھہرایا - اور نبی کریمؐ سے اس کا منسوخ ہونا ثابت نہیں تو پھر اس طرح کہنا بھی درست ہوتا کہ آپ نے خرید و فروخت کی جن قسموں کو حرام قرار دیا تھا وہ آیت "اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ" (البقرہ) کے نزول سے قبل تھا اسی طرح آپ نے زانی کو سنگسار کرنے کا جو حکم صادر کیا تھا وہ آیت : "فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا" (النور) سے منسوخ ٹھہرا - اسی طرح موزوں پر مسح کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ آیت وضو نے اس کو منسوخ کر دیا۔ اسی طرح یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ غیر محفوظ مال چرانے والے اور چوتھائی دینار سے کم چرانے والے کا ہاتھ بھی قطع کیا جائے گا - اور اس ضمن میں وارد شدہ حدیث کو منسوخ تصور کیا جائے گا - اس لیے کہ قرآن میں سارق کے لیے قطع ید کی سزا تجویز کی گئی ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ غیر محفوظ مال اور چوتھائی دینار سے کم مال چرانے والا دونوں چور ہیں - اس لیے حدیث کی بنا پر وہ قرآنی سزا سے بچ نہیں سکتے -

علیٰ هٰذا القیاس جملہ احادیث کو یہ کہہ کر آسانی سے رد کیا جا سکتا ہے کہ یہ قرآن کی مانند نہیں ہیں - یہ دونوں عذر احادیث کو رد کرنے کے لیے کافی ہیں"

(الرسالہ تحقیق احمد محمد شاکر - ص ۱۰۸)

محققین شافعیہ اس مسئلہ میں جمہور کے ہمنوا ہیں - انہوں نے امام شافعی کی جانب سے مختلف عذرات پیش کیے ہیں -

نسخ الکتاب بالسنتہ :

آیا حدیث کسی آیت کو منسوخ کر سکتی ہے یا نہیں ؟ اس ضمن میں علماء کے دو مذہب ہیں۔

(۱) - احناف کے نزدیک حدیث متواتر یا مشہور قرآن کریم کی آیت کو منسوخ کر سکتی ہے اور خبر واحد نہیں -

وہ اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ حدیث متواتر قرآن کی طرح قطعی الثبوت ہوتی ہے - حدیث مشہور اپنی شہرت کی بنا پر قوت حاصل کر لیتی ہے اور فقہاء کے یہاں معمول بہ ہوتی

ہے۔ اس لیے وہ حدیث متواتر کے لگ بھگ ہوتی ہے۔ مزید براں حدیث متواتر و مشہور دونوں وحیِ غیر مَتْلُوّ ہیں۔ اس لیے یہ دونوں قرآن کی ناسخ ہو سکتی ہیں۔

احناف اس کی مثال یہ دیتے ہیں کہ موزوں کے مسح پر مشتمل حدیث مشہور نے اس آیت کو منسوخ کر دیا، جس میں پاؤں دھونے کا حکم دیا گیا ہے۔

(اصول السرخسی، ج ۲-ص ۶۷)

اسی طرح سورۂ بقرہ کی آیت ۱۸۰ جس میں وصیت کا حکم دیا گیا ہے حدیث مشہور "لا وصیۃ لوارث" کی وجہ سے منسوخ قرار پائی۔ یہ حدیث جمہور علماء کے نزدیک معمول بہ ہے۔ حتیٰ کہ امام شافعی نے "الام" میں اس کے متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

(۲)۔ جمہور کا قول ہے کہ سنت قرآن کی ناسخ نہیں ہو سکتی خواہ وہ متواتر ہو یا مشہور یا خبر واحد امام شافعی نے جمہور کی رائے کے اثبات میں یہ دلیل پیش کی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا	جس آیت کو منسوخ یا مؤخر کر دیتے ہیں تو
نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا۔	اس سے بہتر یا اس جیسی آیت لے آتے ہیں

(بقرہ - ۱۰۶)

اس آیت میں آیت منسوخہ کے عوض اس سے بہتر یا اس جیسی آیت لانے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ حدیث نہ قرآن کی مانند ہے اور نہ اس سے بہتر۔

امام شافعی دوسری دلیل یہ دیتے ہیں کہ قرآن میں فرمایا:

قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ	فرما دیں مجھے زیب نہیں دیتا کہ میں اپنی طرف
تِلْقَآءِ نَفْسِيْ۔	سے اس کو تبدیل کر دوں۔

(سورہ یونس - ۱۵)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی کریمؐ وحیِ الٰہی کی پیروی کرتے تھے اور اس کو تبدیل کرنے کے مجاز نہ تھے۔ ظاہر ہے کہ نسخ ایک قسم کی تبدیلی ہی ہوتی ہے۔

تیسری دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ	تاکہ لوگوں کے لیے اس چیز کو واضح کر دیں جو

Marfat.com

اِلَیۡہِمۡ۔ (النحل-۴۴) ان کی طرف اتاری گئی ہے۔

اس آیت کریمہ میں بتایا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے قرآن کریم کی شرح و تفسیر کرتے ہیں تاکہ لوگ اس پر عمل کریں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ حدیث قرآن کو منسوخ کر سکتی ہے تو یہ حکم باقی نہیں رہے گا۔ کیونکہ اندریں صورت ناسخ یعنی حدیث پر عمل کیا جائے گا اور منسوخ کو نظر انداز کر دیا جائے گا۔

مزید برآں اگر یہ کہا جائے کہ حدیث قرآن کو منسوخ نہیں کر سکتی تو اس سے نبی اکرمؐ اعداء دین کے طعنوں سے محفوظ رہیں گے۔ یہ ایک متفق علیہ بات ہے کہ شرعی احکام کی تعبیر و بیان میں وہ انداز اختیار کرنا چاہیے جو طعن و تشنیع سے بعید تر ہو۔ جب یوں کہا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کے خلاف اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں، جس سے قرآن کا منسوخ ہونا لازم آئے۔ تو طعن دینے والا کہے گا کہ آپ نے خود ہی یہ بات کہی کہ قرآن مجھ پر نازل ہوا اور سب سے پہلے خود ہی اس کی زبانی مخالفت کی اور اس کے خلاف عمل کیا۔ پھر آپ کے قول پر بھروسہ کیوں کر کیا جائے؟

جب آپ کی زبان مبارک سے ایک قول صادر ہو پھر آپ خود ہی اس کی تردید فرما دیں تو معترض کہے گا اس کے رب نے ہی اس کو جھٹلایا پھر ہم اس کی تصدیق کیسے کریں؟

قرآن حکیم میں اس بات کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

وَاِذَا بَدَّلۡنَاۤ اٰیَۃً مَّکَانَ اٰیَۃٍ ۙ وَّ اللّٰہُ اَعۡلَمُ بِمَا یُنَزِّلُ قَالُوۡۤا اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُفۡتَرٍ ؕ۔ (النحل-۱۰۱)

جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت لے آتے ہیں اور اللہ بہتر جانتا ہے جو چیز وہ نازل کرتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ تو جھوٹ باندھنے والا ہے۔

پھر یہ کہہ کر آپ سے اس طعن کو دور فرمایا کہ:

قُلۡ نَزَّلَہٗ رُوۡحُ الۡقُدُسِ مِنۡ رَّبِّکَ بِالۡحَقِّ ۔ (النحل-۱۰۲)

آپ کہہ دیں کہ اس کو پاکیزہ روح نے تیرے رب کی طرف سے حق کے ساتھ اتارا ہے

اس آیت سے یہ بات روشن ہوئی کہ ایک آیت کو اگر دوسری آیت منسوخ کر دے تو آنحضور صلعم

Marfat.com

موردِ طعن نہیں ٹھہرتے۔ بخلاف ازیں اگر حدیث قرآن کی ناسخ ٹھہرے تو آپ مطعون قرار پاتے ہیں۔ لہٰذا طعن و تشنیع کا سدِ باب کرنے کے لیے یہ کہنا موزون تر ہے کہ حدیث قرآن کی ناسخ نہیں ہو سکتی۔ (اصول السرخسی، ج ۲۔ ص ۶۷، نیز الرسالۃ للشافعی، ص ۱۰۶۔۱۰۸)

یہ امر شک و شبہ سے بالا ہے کہ جمہور کی رائے اقرب الی الحق ہے۔ بظاہر ہمیں ایسی کوئی حدیث نظر نہیں آتی جو کسی آیتِ قرآنی کی ناسخ ہو احناف نے موزوں پر مسح اور وارث کے لیے وصیت سے متعلق جو حدیثیں پیش کی ہیں وہ خارج از بحث ہیں۔ میری رائے کے مطابق یہ جدال و نزاع جواز عدم جواز کے بارے میں ہے وقوع و ظہور سے متعلق نہیں۔ حنفیہ نے اس کے وقوع کا جو دعویٰ کیا ہے وہ قابلِ تسلیم نہیں۔ احناف نے جو دلائل اس ضمن میں پیش کیے ہیں ان میں غور و فکر کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں رد و قبول کی بڑی گنجائش ہے۔

لِلّٰہِ الْحَمْد کہ ہم نے حدیث نبوی کی جمع و تدوین اور احادیث صحیحہ و سقیمہ کے مابین فرق و امتیاز کے سلسلہ میں علماء کی مساعیِ جمیلہ کے ذکر و بیان کا جو سلسلہ شروع کیا تھا وہ اتمام پذیر ہوا۔ حدیث رسول کو قدیماً و حدیثاً جن شبہات کی آماجگاہ بنایا گیا تھا خدا کا شکر ہے کہ ہم نے ان کا ازالہ کر دیا۔ ہم نے یہ حقیقت اجاگر کر دی کہ حدیث نبوی کو اسلامی قانون میں کیا مرتبہ و مقام حاصل ہے۔ نیز یہ کہ قرآن و حدیث کے مابین کیا ربط و تعلق پایا جاتا ہے۔

کتاب کے خاتمہ میں ہم مختصراً بیان کریں گے کہ حدیث نبوی کے بارے میں ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کا موقف کیا تھا اور وہ اس میں کہاں تک مہارت و بصیرت رکھتے تھے۔ علاوہ ازیں ہم اصحاب صحاح ستہ کے مختصر تراجم اور ہر کتاب کی خصوصیات پر بھی روشنی ڈالیں گے۔

مترجم

غلام احمد حریری

رحمہ اللہ وغفر لہ

Marfat.com

خاتمة الكتاب

ائمہ اربعہ واصحاب صحاح ستہ

۱ــــ امام ابوحنیفہؒ

۲ــــ امام مالکؒ

۳ــــ امام شافعیؒ

۴ــــ امام احمدؒ

۵ــــ امام بخاریؒ

۶ــــ امام مسلمؒ

۷ــــ امام نسائیؒ

۸ــــ امام ابوداؤدؒ

۹ــــ امام ترمذیؒ

۱۰ــــ امام ابن ماجہؒ

Marfat.com

امام ابو حنیفہ

۸۰ ——— ۱۵۰

نام ونسب :

آپ کا نام نامی نعمان بن ثابت اور کنیت ابو حنیفہ ہے۔ آپ آئمہ اربعہ میں سب سے پہلے پیدا ہوئے۔ اہل اسلام میں آپ کے پیرؤں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ آپ کوفہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے سنِ ولادت کے بارے میں علماء کے تین اقوال ہیں۔ ایک قول کے مطابق آپ ۶۳ھ میں پیدا ہوئے۔ دوسرے کے پیش نظر ۷۰ھ میں اور تیسرے قول کے مطابق ۸۰ھ میں۔ تیسرا قول مشہور تر ہے۔ اگرچہ بعض مصنفین نے چند وجوہات کے پیش نظر دوسرے قول کو راجح قرار دیا۔ (کتاب الضعفاء ابن حبان نیز تاریخ الخطیب، ص ۱۹۔)

تعلیم وتربیت :

آپ کوفہ میں پلے بڑھے جو اُن دنوں عظیم ترین اسلامی شہر تھا۔ کوفہ ہر مکتبِ خیال کے علماء وفضلاء کا گہوارہ تھا۔ صرف ونحو اور ادب ولغت کے بڑے بڑے امام یہاں بود و باش رکھتے تھے۔ امام ابو حنیفہ نے علم الکلام پڑھا، اور اس میں ماہرانہ بصیرت حاصل کی۔ پھر حماد کے حلقۂ درس میں شامل ہو گئے جو ان دنوں فقہائے کوفہ کے سرخیل تھے۔ حماد کا سلسلہ تلمذ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مل جاتا ہے۔ اس لیے کہ حماد نے ابراہیم نخعی سے تعلیم پائی، جو علقمہ بن قیسؒ کے شاگرد تھے۔ علقمہ براہِ راست حضرت ابن مسعود کے ساختہ پرداختہ تھے۔

بعد ازاں آپ شیخ حماد کے وابستۂ دامن ہو گئے۔ حتیٰ کہ حماد نے ۱۲۰ھ میں وفات پائی۔ شیخ حماد کے تلامذہ نے امام ابو حنیفہ کو ان کا جانشین قرار دیا چنانچہ کوفہ کے مکتبِ رائے وقیاس کی قیادت وسیادت آپ کی ذات پر ختم ہو گئی۔ اور آپ بلا اختلاف فقہائے عراق کے امام ٹھہرے۔ دور و نزدیک آپ کے علم وفضل کے چرچے ہوئے بصرہ مکہ اور مدینہ کے

Marfat.com

مشہور ترین علماء سے ملے اور ان کے ساتھ بحث و مناظرہ کیا۔ ان سے استفادہ کیا اور ان کو اپنے علم و فضل سے مستفیض کیا۔ جب منصور نے بغداد تعمیر کیا تو وہاں تشریف لے گئے۔ آپ کے حلقۂ درس کی شہرت بڑھتی گئی یہاں تک کہ اس نے ایک عظیم اکیڈمی کی صورت اختیار کر لی جس میں عبداللہ بن مبارک حفص بن غیاث جیسے محدثین کبار اور ابو یوسف و محمد و زُفر و حسن بن زیاد جیسے فقہاء اور فُضَیل بن عیاض اور داؤد طائی جیسے عبّاد و زہّاد حاضر ہُوا کرتے تھے۔ یہ مجلس علمی امانت و دیانت کی حامل تھی۔ اس میں حاضری دینے والے عبادت میں کوشاں معاملات میں صائب دنیوی مال و منال سے بے نیاز اور اسلام اور اہل اسلام کے خیر خواہ و ہمدرد تھے امام ابوحنیفہ زہد و عبادت کی اسی راہ پر گامزن رہے یہاں تک کہ خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

فقہ حنفی کے اصُول :

امام بَیہقی نے یحییٰ بن خَرِیس سے روایت کیا ہے کہ میں سفیان کی خدمت میں حاضر تھا ایک شخص نے آکر کہا آپ ابوحنیفہ پر کیا تنقید کرتے ہیں؟ سفیان نے کہا "اسے کیا ہے؟ میں نے سنا کہ ابوحنیفہ کہہ رہے تھے، میں کتاب اللہ سے استدلال کرتا ہوں۔ اگر اس میں وہ مسئلہ نہ ملے تو سنتِ رسول سے دلیل لیتا ہوں۔ اگر دونوں میں نہ پاؤں تو جس صحابی کے قول سے چاہتا ہوں احتجاج کرتا ہوں اور جس کے قول کو چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں، اور اُن کے قول کو چھوڑ کر کسی اور کا قول اختیار نہیں کرتا۔ جب معاملہ ابراہیم نخعی شعبی ابن سیرین حسن بصری عطاء اور ابن مسیّب تک پہنچتا ہے تو میں بھی ان کی طرح اجتہاد سے کام لیتا ہوں۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ جو بات کتاب اللہ میں نہیں پاتا تو پھر سنت رسول اور احادیث صحیحہ پر عمل کرتا ہوں جو ثقہ راویوں کے یہاں عام طور سے شائع ہیں" (مفتاح الجنۃ ص ۳۴)

جس معاملہ میں کتاب و سنت اور اقوالِ صحابہ موجود نہ ہوں اس میں امام ابوحنیفہ کا اجتہاد قیاس پر مبنی ہوتا تھا۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک قیاس کی ایک قسم استحسان بھی ہے۔ استحسان کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ قیاس جلی کے مقابلہ میں ایک طرح کا قیاس خفی ہوتا ہے۔

امام ابوحنیفہ کے خلاف شور و غوغا :

یہ ہیں فقہ و اجتہاد کے سلسلہ میں امام ابوحنیفہ کے اصولِ عامّہ! یہ وہ اصول ہیں جو دیگر آئمہ

Marfat.com

اور خصوصاً ائمہ ثلاثہ کے افکار و آراء سے ہم آہنگ ہیں۔ قرین حق و انصاف یہ تھا کہ امام ابوحنیفہ کی عظمت و جلالت اور ان کی خدماتِ جلیلہ کی بناء پر آپ کا نام نامی اور اسم گرامی تاریخ کے اوراق میں زندہ جاوید اور ہمیشہ کے لیے تابندہ و درخشندہ ہوتا۔ مگر صد حیف! کہ اس کے عین برعکس نہ صرف آپ کے عصر و عہد میں بلکہ آپ کے بعد بھی آپ کے خلاف شور و غوغا برپا ہوتا رہا۔ لوگ آپ کے بارے میں دو دھڑوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ آپ کی مدح و ستائش میں رطب اللسان اور آپ کے علم و فضل کا ثنا خواں تھا۔ یہ جمہور اہل اسلام تھے۔ دوسرا گروہ آپ کے خلاف آتش غیظ و غضب سے بھرا ہوا تھا اور لوگوں کو آپ کی فقہ سے نفرت دلا رہا تھا۔ یہ لوگ نہ صرف آپ سے بلکہ آپ کے اصحاب و تلامذہ سے بھی بدظن تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس میں کیا راز پنہاں تھا؟ اور یہ طعنہ باز اور دراز زبان کون لوگ تھے؟

آپ کے خلاف شور و شغب کے اسباب:

(۱) ۔ آئمہ عصر میں ابوحنیفہ اوّلین امام تھے جس نے فقہی استنباط کے دائرہ کو بڑھایا اور پھیلایا۔ اصول سے فروع و جزئیات اخذ کرنے میں وسعت پیدا کی۔ ایسے حوادث فرض کیئے جو ہنوز وقوع پذیر نہ ہوئے تھے۔ قبل ازیں علماء مفروضہ حوادث کو نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور ان کے حل میں وقت ضائع کرنے کو وقت کا ضیاع اور لوگوں کو ایسے مشاغل میں الجھانا تصوّر کرتے تھے جو قطعی طور پر بے کار ہے۔

حضرت زید بن ثابتؓ سے جب ایسا کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو وہ پوچھتے کہ کیا "یہ وقوع میں آچکا ہے؟ اگر لوگ کہتے کہ نہیں تو آپ فرماتے "ابھی ٹھہر جاؤ اس کو وقوع میں آنے دو"۔ امام ابوحنیفہ کا زاویۂ نگاہ اس سے یکسر مختلف تھا۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ مجتہد کا کام لوگوں کے لیے فقہ کی ترتیب و تدوین ہے۔ اگرچہ یہ حوادث ابھی وقوع پذیر نہیں ہوئے مگر ان کے رُونما ہونے کی قوی امید ہے۔ خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ کی جلد ۱۳، ص ۳۴۸ پر جناب امام کے نقطۂ نظر کو ان الفاظ میں واضح کیا ہے۔

"جب قتادہ وارد کوفہ ہوئے تو امام ابوحنیفہ نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا "آپ اس شخص کے بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں جو اپنی بیوی سے کئی سال غائب

Marfat.com

رہا۔ بیوی نے سمجھا کہ میرا خاوند مر چکا ہے۔ چنانچہ اس نے دوسری شادی کر لی۔ پھر پہلا خاوند لوٹ آیا۔ آپ اس کے مہر کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ امام ابو حنیفہؒ نے اپنے تلامذہ سے کہہ رکھا تھا کہ اگر اس کے جواب میں قتادہ نے حدیث بیان کی تو ہم اس کی تردید کریں گے۔ اور اگر اپنی رائے سے فیصلہ کیا تو اس کی غلطی واضح کریں گے۔ قتادہ نے کہا کیا یہ واقع ظہور پذیر ہو چکا ہے۔ امام ابو حنیفہ نے کہا "نہیں"، قتادہ نے کہا "پھر ایسے مسئلہ کے بارے میں کیوں پوچھتے ہو جو ابھی واقع ہی نہیں ہوا؟ امام ابو حنیفہ نے فرمایا "ہم مصیبت کے آنے سے پہلے اس کا انتظام کرتے ہیں۔ جب یہ واقعہ پیش آئے گا تو ہمیں اس میں داخل ہونے اور اس سے عہدہ برآ ہونے کا راستہ معلوم ہوگا۔"

امام ابو حنیفہ کے مدرسۂ فکر کو "اَرَأَیْتَ یْن" یعنی فرضی مسائل گھڑنے والوں کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ یہ کہا کرتے تھے "اَرَأَیْتَ لَوْحَصَلَ کَذَا" (اگر یوں ہوا تو پھر کیا کریں گے؟) امام مالک کے بعض تلامذہ نے آپ سے ایک سوال کیا جس کا جواب آپ نے دیدیا تلمیذ نے کہا "اگر یوں ہو تو پھر کیا ہوگا؟ امام مالک سخت ناراض ہوئے اور فرمایا "آپ فرضی مسائل گھڑنے والے گروہ سے تو تعلق نہیں رکھتے؟ کہیں آپ عراق سے تو نہیں آرہے؟

ابن عبدالبر نے امام مالکؒ سے روایت کیا ہے آپ نے فرمایا "میں نے اسلامی دیار و بلاد کے لوگوں کو دیکھا ہے وہ زیادہ سوال و جواب کو پسند نہیں کرتے" ابن وھب کہتے ہیں کہ امام مالک کی مراد اس سے کثرتِ مسائل ہے۔

امام مالک فرماتے ہیں:

"لوگ جو سنتے اور جانتے ہوتے تھے اس کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے، آج کل جو باتیں ہو رہی ہیں، وہ ہم نے پہلے نہیں سنیں۔"

امام مالک روایت کرتے ہیں کہ عبدالملک بن مروان نے امام زہری سے کوئی مسئلہ پوچھا۔ امام زہری نے دریافت کیا، امیرالمومنین! کیا ایسا ہوا ہے؟ عبدالملک نے کہا "نہیں" زہری نے کہا "چھوڑیئے! جب ایسا ہوگا تو اللہ تعالیٰ

Marfat.com

اس کا حل بھی پیدا کر دیں گے۔" (جامع بیان العلم، ج ۲-ص ۱۴۳)

امام مالک اپنی سند کے ساتھ امام شعبی سے روایت کرتے ہیں شعبی عراق کے ائمہ حدیث میں سے تھے۔ فرماتے ہیں:

"ان لوگوں کی وجہ سے مجھے مسجد سے نفرت ہو گئی ہے حتیٰ کہ وہ مجھے اپنے کوڑے کے ڈھیر سے بھی زیادہ بُری معلوم ہوتی ہے۔ میں نے عرض کیا ابو عمرو! وہ کون لوگ ہیں؟ کہا" فرضی مسائل گھڑنے والے۔ نیز فرمایا حکم حماد اور اس کے اصحاب بھی ان میں شامل ہیں۔ حماد ابو حنیفہؒ کے استاد تھے۔"

امام شعبی سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا" فرضی مسائل گھڑنے سے میرے نزدیک اور کوئی چیز مذموم تر نہیں۔" (جامع بیان العلم، ج ۲-ص ۲۴۳)

تفریع و استنباط میں امام ابو حنیفہ نے جو وسعت پیدا کی تھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بقول صاحب العنایہ فقہ حنفی کے مسائل کی تعداد بارہ لاکھ ستر ہزار سے بھی زیادہ تک پہنچ گئی۔

(التکت الطریفہ، ص ۵)

یہ بہت بڑی تعداد ہے۔ اگر کہا جائے کہ یہ تعداد مبالغہ آمیزی پر مبنی ہے تو اس میں شبہ نہیں، کہ دوسرے کسی امام سے اس قدر مسائل منقول نہیں ہیں۔ امام ابو حنیفہ کے بعض ناقدین نے آپ کی کثرت تفریعات پر ان الفاظ میں اظہار غیظ و غضب کیا ہے۔

"آپ وقوع میں آمدہ مسائل کے بارے میں سب لوگوں سے زیادہ جاہل تھے اور جو مسائل ابھی وقوع میں نہیں آئے ان کے بارے میں سب سے بڑے عالم۔"

(۲)۔ امام ابو حنیفہ احادیث کے قبول کرنے میں نہایت تشدد سے کام لیتے تھے۔ چونکہ آپ کے زمانہ میں وضع حدیث کا عام چرچا تھا اس لیے آپ نے احادیث کی جانچ پرکھ کے لیے نہایت کڑی شرائط عائد کی تھیں سرزمین عراق ان دنوں تمام عالم اسلامی میں فکری و انقلابی تحریکات کا سرچشمہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے عصر و عہد میں عراق وضع حدیث کا اوّلین مرکز و مخزن اور واضعین کا ملجا و ماویٰ تھا۔ یہی چیز تھی جو قبولیت احادیث میں آپ کے لیے حزم و احتیاط کی موجب بنی

چنانچہ آپ صرف وہی احادیث قبول کرتے تھے، جو علماء کی زبان زد عام تھیں۔ آپ اس ضمن میں محدثین سے بھی زیادہ تشدد و احتیاط سے کام لیتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے ایسی احادیث کو بھی ضعیف ٹھہرایا جو دوسروں کے یہاں صحیح اور مقبول تھیں۔"

(۳) - دوسری طرف امام ابو حنیفہ احادیث مرسلہ سے بھی احتجاج کرتے تھے، بشرطیکہ ارسال کرنے والا ثقہ ہو۔ مگر جمہور محدثین ان کو ناقابلِ احتجاج سمجھتے تھے۔ نتیجہ کے طور پر جناب امام ایسی احادیث سے بھی استدلال کرتے تھے۔ جو دوسرے محدثین کے یہاں ضعیف اور غیر معمول بہا تھیں۔

(۴) - صحتِ حدیث کے لیے امام ابو حنیفہ نے جو کڑی شرائط مقرر کی تھیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قبولیتِ احادیث کا دائرہ نہایت سکڑ گیا اور آپ رائے و قیاس کو استعمال کرنے پر مجبور ہو گئے۔ خداوند کریم نے آپ کو اس ضمن میں عدیم النظیر اہلیت و صلاحیت سے نوازا تھا اس میں شک نہیں کہ آپ نے قیاس و رائے کے دامن میں جو وسعت پیدا کی تھی اس نے آپ اور اہل الحدیث کے مابین اختلاف کی خلیج کو اسی طرح وسیع کر دیا جس طرح ان فقہاء کے درمیان بُعد واقع ہوا تھا جو قیاس و اجتہاد کو شاذ و نادر ہی استعمال کرتے تھے۔

(۵) - استنباطِ مسائل میں امام ابو حنیفہ کا مسلک حیرت انگیز حد تک دقت آفرینی پر مبنی تھا۔ آپ ہر مسئلہ میں رائے و اجتہاد کے لیے ایسے وجوہ و اسباب ڈھونڈھ نکالتے جو دوسروں کے لیے حیرت و استعجاب کے موجب ہوتے۔

ابن ابی العوام نے اپنی سند کے ساتھ محمد بن حسن سے روایت کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ جب بغداد لائے گئے تو آپ کے اصحاب و تلامذہ جمع ہوئے جن میں قاضی ابو یوسف زفر اسد بن عمرو اور آپ کے اصحاب میں سے فقہائے متقدمین بھی موجود تھے۔ ایک مسئلہ زیر بحث تھا۔ وہ کہنے لگے جونہی امام ابو حنیفہ یہاں پہنچیں ان سے یہ مسئلہ دریافت کیا جائے۔ جب آپ بغداد پہنچے تو سب سے پہلے یہ مسئلہ آپ سے دریافت کیا گیا۔ آپ نے جو جواب دیا وہ ان کی رائے سے مختلف تھا۔ حاضرین مجلس پکار اُٹھے ابو حنیفہ! وطن کی دُوری نے آپ کے اوسان خطا کر دیے ہیں فرمایا "ٹھہریے آپکا کہہ رہے ہیں؟ لوگوں نے کہا آپ نے مسئلہ غلط بتایا ہے امام

Marfat.com

کہنے لگے "کیا دلیل کی بنا پر یہ بات کہتے ہو یا بلا دلیل"؟ لوگوں نے کہا "دلیل کی بناء پر" امام نے فرمایا "دلیل پیش کیجیے" چنانچہ آپ نے ان سے مناظرہ کیا اور ان کو اپنی بات کا قائل کر لیا لوگوں نے اپنی غلطی کو تسلیم کر لیا۔ امام نے کہا "کیا اب تم اصلی بات سمجھ گئے ہو؟ لوگوں نے کہا "جی ہاں!" آپ نے فرمایا "اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جو بات تم کہتے ہو وہی درست ہے تو اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟" وہ کہنے لگے "ایسا نہیں ہو سکتا" چنانچہ آپ نے پھر ان کے ساتھ مناظرہ کر کے ان پر اس قول کی غلطی واضح کی۔ لوگ کہنے لگے ابو حنیفہ! آپ نے ہم پر ظلم کیا دراصل ہم حق پر تھے۔ امام ابو حنیفہ کہنے لگے "اچھا یہ بتاؤ کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اب جو بات تم نے تسلیم کی ہے وہ غلط ہے، پہلی بات بھی غلط تھی دراصل ایک تیسری بات حق ہے تو اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ لوگ کہنے لگے یہ ممکن نہیں۔ فرمایا سنیے چنانچہ آپ نے تیسرا قول بتایا اور مناظرہ کر کے ان کو اپنے ساتھ متفق کر لیا۔ وہ کہنے لگے "ہمیں بتائیے کہ تینوں اقوال میں سے صحیح تر کون سا ہے؟ فرمانے لگے "دراصل پہلا قول ہی صحیح ہے اور اس کی وجہ یہ ہے۔ اس مسئلہ میں تین احتمالات ہیں۔ ہر احتمال پر ایک فقہی مسلک کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ تم پہلا قول اختیار کر لو اور باقی دو اقوال کو چھوڑ دو۔

غور فرمائیے کہ جو شخص ایک ہی مسئلہ میں لوگوں کے افکار و نظریات کو اسی طرح تبدیل کرنے کی قدرت سے بہرہ ور ہو بلاشبہ وہ سب لوگوں سے زیادہ بالغ النظر دقیقہ رس اور استنباطِ نصوص میں سب سے زیادہ گہرائی رکھنے والا ہوگا۔ علاوہ ازیں اس کا قوی الحجت اور زور بیان سے موصوف ہونا بھی ایک درخشاں حقیقت ہے۔ بنا بریں یہ بات نکھر کر سامنے آتی ہے کہ امام مالک کے اس قول میں کوئی مبالغہ نہیں کہ :-

"امام ابو حنیفہ کے زور بیان اور قوتِ استدلال کا یہ عالم ہے کہ اگر پتھر کے اس ستون کو سونے کا ثابت کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں"

یہ بیانات اس حقیقت کے آئینہ دار ہیں کہ اگر بعض مسائل میں امام ابو حنیفہ کا استنباط دیگر علماء اور جمہور محدثین کے خلاف ہو تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ اس لیے کہ اکثر محدثین ظواہرِ نصوص پر عمل کرتے تھے اور ان میں علت نکالنے کے قائل نہ تھے۔ سب سے بڑھ کر

یہ کہ اہل حدیث کے زمرہ میں ایسے عوام بھی تھے، جن کے بارے میں یحییٰ بن یمان کہتے ہیں:

"ان میں سے اکثر حدیثیں لکھتے اور ان کو سمجھنے پر قادر نہ تھے جب ان سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو خاموش بیٹھے رہتے"

(جامع بیان العلم، ج ۲-ص ۱۲۱)

یہ درست ہے کہ محدثین میں ایسے لوگ بھی تھے جو سوچ بچار اور طرز بود و ماند میں نہایت پسماندہ تھے۔ کم علمی کی بناء پر اکثر ان سے غلطیاں سرزد ہوتیں اور بعض مسائل کے سلسلہ میں مضحکہ خیز جواب دیتے۔ چند واقعات ملاحظہ ہوں:

ایک شخص نے استنجاء کرنے کے بعد وضو کیے بغیر وتر پڑھ لیے اور دلیل میں یہ حدیث پیش کی "من استجمر فلیوتر" اس نے اس حدیث سے نمازِ وتر مراد لی۔ حالانکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ طاق ڈھیلوں سے استنجاء کرنے چاہیے۔ مثلاً ایک یا تین۔

ایک شخص کے بارے میں منقول ہے کہ اس نے جمعہ کی نماز سے پہلے چالیس سال تک حجامت نہ بنوائی اور اس حدیث سے احتجاج کیا کہ "نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْحِلَقِ قَبْلَ الصَّلٰوةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ" (آپ نے جمعہ کے روز نماز سے پہلے حلقہ باندھنے سے منع فرمایا) اس نے "الْحِلَقِ" (حلقہ) کو "الْحَلْقِ" (سر منڈوانا) سمجھا۔

ایک حدیث میں آپ نے فرمایا:

نَهٰى اَنْ يَسْقِيَ الرَّجُلُ مَاءَهٗ زَرْعَ غَيْرِهٖ۔

آپ نے منع کیا کہ آدمی دوسرے کی کھیتی کو سیراب کرے یعنی حاملہ عورت سے مجامعت کرنے سے آپ نے منع فرمایا۔

ایک شخص نے حدیث کا مطلب یہ سمجھا کہ پڑوسی کے باغ کو سیراب نہیں کرنا چاہیے۔

ایک صاحب حدیث بیان کر رہے تھے۔ کسی نے پوچھا اگر مرغی کنویں میں گر جائے تو کیا کرنا چاہیے؟ اس نے سائل سے کہا آپ نے کنویں کو ڈھانپ کیوں نہ دیا تاکہ اس میں کوئی چیز گرنے نہ پائی۔ ایک شخص سے فرائض (علم وراثت) کا کوئی مسئلہ دریافت کیا گیا۔ اس نے جواب میں لکھا "اللہ تعالیٰ کے فرائض کے مطابق تقسیم کیا جائے"

Marfat.com

اس میں شک وشبہ کی کوئی مجال نہیں کہ ایسے عوام محدثین امام ابوحنیفہ کی دقت استنباط اور نصوص میں غوطہ زن ہو کر ان سے استخراجِ احکام میں آپ کی دقیقہ رسی کو سمجھنے سے قاصر تھے یہی وجہ ہے کہ لوگوں نے آپ سے بدگمان ہونے آپ سے اعراض وانحراف کرنے آپ کی دین داری کو مشکوک نگاہوں سے دیکھنے اور احادیث کو نفرت وحقارت کی نگاہ سے دیکھنے کے بارے میں آپ پر الزام عائد کرنے میں جلد بازی سے کام لیا۔[1]

(۶) - امام ابوحنیفہ کے معاصر اقران واماثل موجود تھے۔ بنی نوع انسان میں شک و حسد کے جذبات فطری ہیں۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ جو شخص فہم وشعور میں ممتاز ہو یا لوگوں میں زیادہ مشہور اور مقبول ہو۔ انسان اس سے کڑھتا اور دل تنگ ہوتا ہے۔ بہت کم انسان اس عیب سے پاک ہوتے ہیں۔ علماء تک اس میں مبتلا ہوتے ہیں۔ الّا یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی کے دل سے اس نقص وعیب کو دور کردے۔ اس کے دل کو نور حکمت سے بھر دے۔ اور اس کو انبیاء کی ہدایت اور صدیقین کی طمانیت سے بہرہ یاب فرمادے۔

محدث ابن عبدالبر نے اپنی کتاب جامع بیان العلم کی ایک خاص فصل میں علماء کے باہمی رشک ورقابت اور اس کے نتائج کے بارے میں ان کے اقوال ذکر کیے ہیں۔

---

[1] مقام حیرت ہے کہ ایک طرف تو مصنف نے جناب امام کو اتہامات اور بدگمانیوں سے بری الذمہ ثابت کرنے کے سلسلہ میں ایک نیک کام کی طرح ڈالی۔ مگر اس کے بین برخلاف تحفظ حدیث کے سلسلہ میں خدماتِ جلیلہ انجام دینے والوں کو کم عقل اور احمق قرار دیا۔ مصنف نے کم عقل محدثین کے جتنے افسانے بیان کیے ہیں ان میں یحییٰ بن یمان کے قول کے سوا کسی کا حوالہ نہیں دیا۔ نہ جانے ایسے خفیف العقل محدثین کس زمین پر بستے اور کس آسمان کے سایہ تلے گزر بسر کرتے تھے۔ فہم وادراک میں غلطی کس سے سرزد نہیں ہو سکتی۔ اگر محدثین سے حدیث فہمی میں غلطیاں ہوئی ہیں تو فقہاء کا دامن کب اس سے پاک ہے۔ مولانا شبلی نعمانی سے زیادہ امام ابوحنیفہ کا مداح اور کون ہو سکتا ہے۔ مگر انہوں نے بھی "سیرت النعمان" کو ان الفاظ کے ساتھ ختم کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کی اجتہادی غلطیوں کے صرف امکان کا دعویٰ ہی نہیں کیا جا سکتا ..... بلکہ عملاً بھی آپ سے فقہی غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔ پھر انہوں نے فقہ حنفی کے وہ مسائل گنائے ہیں جن کی کوئی وجہ جواز نہیں اور جن کو کسی تاویل کی بنا پر بھی صحیح نہیں کہا جا سکتا۔ انصاف کی بات یہ ہے کہ محدثین ہوں یا فقہاء کوئی بھی غلطیوں سے منزہ نہیں (باقی بر صفحہ ۵۷۴)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں :

"علماء کی علمی باتیں سنیئے اور ایک دوسرے کے بارے میں ان کی باتوں پر اعتماد نہ کیجیے خدا کی قسم وہ باہم اس سے زیادہ بغض وعناد رکھتے ہیں جو ایک مینڈھے کو دوسرے کے خلاف ہوتا ہے" (جامع بیان العلم، ج ۲ - ص ۱۰۱)

اس کے بعد ابن عبدالبر نے علماء کے بغض وعناد کے عجیب وغریب واقعات بیان کیے ہیں مثلاً محمد بن اسحاق کے بارے میں امام مالک کا قول اور یحییٰ بن معین کی رائے امام شافعی کے بارے میں۔ حمّاد اور زھری کا قول اہل مکہ سے متعلق۔

امام ابو حنیفہ نے اس قدر بلند منصب ومقام اور عظمت وشہرت حاصل کرلی تھی کہ آپ کے بعض معاصرین بصری مجالس میں آپ کی طرف غلط باتیں منسوب کرنے لگے۔ وہ خلیفہ تک ایسی باتیں پہنچاتے جو خلافِ واقعہ ہوا کرتی تھیں۔ اس کی حد یہ ہے کہ ایسے لوگوں میں سے ایک یعنی اپنے معاصر کوفہ کے قاضی عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کے بارے میں امام صاحب نے فرمایا :

"ابن ابی لیلیٰ میری اس چیز کو بھی مباح خیال کرتا ہے جو میں کسی حیوان کے بارے میں بھی تصور نہیں کرسکتا" (مناقب ابی حنیفہ)

سابق الذکر عوامل ومحرکات کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے ابو حنیفہ سے ایسی باتیں نقل کرنا شروع کردیں جن کا حق وصداقت کے ساتھ دُور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ بعض باتیں وہ تھیں جن کے بارے میں لوگ آپ کے طریقِ اجتہاد سے ناواقف ہونے کی وجہ سے آگاہ ہی نہ تھے۔ یہ باتیں ان علماء کے کانوں تک بھی پہنچیں جو آپ سے دُور سکونت پذیر تھے۔ اسی طرح آپ کے وہ مسائل وفتاویٰ بھی ان کے علم میں آئے جو ان کے خلاف تھے۔ انہیں معلوم نہ تھا کہ اس مخالفت کی وجہ کیا ہے البتہ وہ یہ جانتے تھے کہ ہمارے پاس جو دلائل وآثار موجود ہیں۔ وہ امام ابو حنیفہ کے نقطۂ نگاہ کے خلاف ہیں۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی زبان سے بعض اوقات ایسی باتیں صادر ہوئیں جو اس امر کی غماز تھیں کہ وہ آپ کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے۔ مگر جونہی وہ آپ سے مل کر آپ کے

(حاشیہ بقیہ صفحہ ۵۷۲) سہو ونسیان سے پاک صرف خداوند علیم وخبیر ہے۔ غلام احمد حریری رحمہ اللہ وغفرلہ

Marfat.com

زاویۂ نگاہ سے باخبر ہوتے اور آپ کے عمق فکر و نظر سے اطلاع پاتے تو جلد ہی حق کی جانب لوٹ آتے اور آپ کی مدح و ثناء میں رطب اللسان ہوتے۔

مشہور کتاب الخیرات الحسان کے مصنف نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ جب امام ابو حنیفہ کی شہرت پھیلنے لگی تو ملاقات سے پہلے امام اوزاعی ان سے بدظن ہو گئے۔ ایک دفعہ اوزاعی نے عبداللہ بن مبارک سے کہا "یہ کون بدعتی شخص ہے جو کوفہ میں نمودار ہوا ہے اور اسے ابو حنیفہ کہتے ہیں؟ ابن مبارک نے کوئی جواب نہ دیا۔ بخلافِ ازیں چند مشکل مسائل میں ان کا طرز فہم و ادراک اور ان کے بارے میں فتویٰ کا ذکر کیا۔ اوزاعی نے کہا یہ فتویٰ کس نے دیا ہے؟ ابن مبارک نے کہا ایک شیخ نے جس کو میں عراق میں ملا تھا" اوزاعی نے کہا "وہ بڑا بلند پایہ شیخ ہے جا کر اس سے اور استفادہ کیجیے" ابن مبارک نے کہا "وہ ابو حنیفہ ہیں" پھر اوزاعی اور ابو حنیفہ مکہ میں ملے۔ اوزاعی نے ابن مبارک کے بیان کردہ مسائل ذکر کیے۔ امام ابو حنیفہ نے ان پر روشنی ڈالی۔ جب جدا ہوئے تو اوزاعی نے ابن مبارک سے کہا "اس شخص کی کثرت علم و عقل پر مجھے رشک آتا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے اپنی غلطی کی معافی چاہتا ہوں۔ میں سخت غلطی میں مبتلا تھا۔ اس کے ساتھ رہ کر استفادہ کیجیے۔ جو باتیں میں نے اس کے بارے میں سنی تھیں وہ درست نہ تھیں"

(الخیرات الحسان۔ ص ۳۳)

امام مالک اور دیگر علماء کے اقوال امام ابو حنیفہ کے بارے میں:

اب ہم امام ابو حنیفہ کے کبار معاصر علماء کے متناقض اقوال ان کے بارے میں نقل کرتے ہیں: امام مالک ثوری اوزاعی سفیان بن عیینہ عبداللہ بن مبارک اور دیگر علماء سے مختلف قسم کے اقوال امام ابو حنیفہ کے بارے میں منقول ہیں۔ خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں جو مختلف روایات امام ابو حنیفہ کی مدح و مذمت کے بارے میں متعدد ائمہ سے نقل کی ہیں ان سے یہ حقیقت خوب کھل کر سامنے آتی ہے۔ اگرچہ اس ضمن میں ہمارا ذاتی زاویۂ نگاہ وہی ہے جو ملک معظم عیسیٰ بن ابو بکر ایوبی نے اپنی کتاب "السہم المصیب فی کبد الخطیب" میں بیان کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ کی جرح و قدح پر مشتمل روایات جھوٹی ہیں۔ تاہم عین ممکن ہے کہ ان میں سے بعض باتیں فی الواقع انہوں نے کہی ہوں۔ اور اس کی وجہ وہی ہے جو ہم قبل ازیں اوزاعی اور امام ابو حنیفہ کی ملاقات کے سلسلہ میں

Marfat.com

بیان کر چکے ہیں۔

امام ابوحنیفہ کی مذمت کے بارے میں ان کے ہم عصر علماء سے جو اقوال منقول ہیں میری ذاتی حد تک ان کا صحیح محمل و موقف یہی ہے۔ میں کامل وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ان علماء نے آپ کے بارے میں جو آخری بات کہی وہ یہی تھی کہ انہوں نے آپ پر مدح و ستائش کے پھول نچھاور کیے۔ آپ پر اعتماد کیا۔ اور آپ کے علم و فضل کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہوئے۔ یہ اس وقت ہوا جب جناب امام نے متعدد مرتبہ مکہ مدینہ اور بصرہ و بغداد کا سفر اختیار کیا۔ نقل کیا گیا ہے کہ آپ نے پچپن ۵۵ مرتبہ حج کیا۔ ہر دفعہ آپ علماء سے ملتے۔ باہم تبادلۂ افکار کرتے۔ اپنے نظریات سے ان کو آگاہ کرتے اور ان کے خیالات سے مستفید ہوتے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ معاصر علماء آپ کے طریق اجتہاد سے آگاہ ہوئے اور ان کو پتہ چل گیا کہ آپ نے جن اخبار و احادیث سے احتجاج نہیں کیا اس کی وجہ کیا تھی۔ اس کے بعد یہ بات عین قرین عقل و قیاس تھی کہ وہ آپ کے علم و فضل کا اعتراف کرتے اور اس بات کی شہادت دیتے کہ آپ اسی صراطِ مستقیم پر گامزن ہیں جس پر علمائے سلف رواں دواں رہے ہیں۔

قاضی عیاض نے الدارک میں نقل کیا ہے کہ مدینہ میں ایک روز امام مالک و ابوحنیفہ کی ملاقات ہوئی۔ جب امام مالک مجلس سے باہر نکلے تو بدن سے پسینہ بہہ رہا تھا۔ لیث بن سعد نے کہا "آپ کا پسینہ بہہ رہا ہے"۔ امام مالک نے کہا "ابوحنیفہ سے مل کر مجھے پسینہ آگیا ان کے فقیہ ہونے میں کوئی شک نہیں"

امام مالک کے بارے میں منقول ہے کہ آپ امام ابوحنیفہ کی تصانیف کا مطالعہ کیا کرتے تھے یعنی وہ کتب جو آپ کے تلامذہ نے آپ سے روایت کر کے مرتب کی تھیں۔ یہاں تک کہ آپ کے پاس ساٹھ ہزار مسائل جمع ہو گئے تھے۔ جیسا کہ ابن ابی العوام سعدی ابوعبداللہ بن مُوَفَّق خوارزمی اور دیگر علماء نے امام مالک سے نقل کیا ہے۔ (تانیب الخطیب ص ۳)

امام مالک کے اصحاب و تلامذہ اور مالکی فقہ کے مصنفین کبار نے اعتراف کیا ہے کہ امام مالک امام ابوحنیفہ کی مدح و ستائش کیا کرتے تھے۔ امام مالک سے امام ابوحنیفہ کی مذمت سے متعلق جو اقوال منقول ہیں مالکیہ نے ان کے مختلف جوابات دیے ہیں۔ امام ابوجعفر داؤدی مصنف

Marfat.com

"التامی علی الموطا" یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ امام مالک نے یہ باتیں غصہ کی حالت میں کہی تھیں عالم غصہ کی حالت میں ایک بات کہہ دیتا ہے اور بعد ازاں اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہے۔

امام ابن عبدالبر کا خیال ہے کہ امام ابوحنیفہ کے جرح و نقد پر مشتمل روایات امام مالک کے ان تلامذہ سے منقول ہیں جو اصحاب الحدیث کے زمرہ میں شمار ہوتے ہیں۔ ان میں جو اصحاب فقہ ہیں ان سے ایسی کوئی روایت منقول نہیں۔ اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر ابوالولید باجی نے شرح موطا میں امام مالک کی جانب ایسے اقوال کی نسبت سے انکار کیا ہے فرماتے ہیں:

> "امام مالک نے فقہاء کے بارے میں سرے سے کچھ کہا ہی نہیں۔ البتہ آپ نے بعض راویوں کے حفظ و ضبط پر نقد و جرح کی ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ امام مالک عبداللہ بن مبارک کا بے حد احترام کرتے تھے حالانکہ وہ امام ابوحنیفہ کے خصوصی اصحاب میں سے تھے"

امام شافعی سے جو اقوال امام ابوحنیفہ کی مذمت کے سلسلہ میں منقول ہیں وہ سب جھوٹ ہیں اس لیے کہ امام شافعی نے ان کا زمانہ ہی نہیں پایا۔ البتہ امام شافعی آپ کے بعض اصحاب خصوصاً محمد بن حسن شیبانی سے ملے اور ان کے علم و فضل سے متاثر ہوئے تھے۔ امام شافعی کا مقولہ ہے:

> "جب محمد بن حسن نے بغداد کو خیرباد کہا، ساکنانِ شہر آپ کے ایک بار شتر علم سے مستفید ہو چکے تھے"

اس لیے یہ بات کس طرح سمجھ میں نہیں آتی کہ آپ نے امام ابوحنیفہ کی مذمت کی ہو۔ امام شافعی کا مشہور قول ہے:

اَلنَّاسُ عِیَالٌ فِی الْفِقْهِ عَلٰی اَبِیْ حَنِیْفَةَ۔ لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کے محتاج ہیں۔

امام احمد نے بھی امام ابوحنیفہ کا زمانہ نہیں پایا۔ البتہ آپ قاضی ابویوسف کے زمانہ میں بقید حیات تھے اور آغاز طالب علمی میں ان کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے تھے۔

امام احمد کا مقولہ ہے:

Marfat.com

"میں نے قاضی ابو یوسف سے تین سال میں اس قدر معلومات جمع کیے جن سے تین الماریاں بھر جائیں"

امام احمد نے محمد بن حسن کی کتب سے استفادہ کیا تھا۔ جب آپ سے دریافت کیا گیا کہ یہ عملی جوابات آپ نے کہاں سے سیکھے تو فرمایا محمد بن حسن کی تصنیفات سے۔

(حسن التقاضی فی سیرۃ ابی یوسف القاضی، ص ۲۸ تا نیب الخطیب ص ۱۸۰)

البتہ اس میں حیرت و استعجاب کی کوئی بات نہیں کہ امام احمد سے امام ابو حنیفہ کے فقہی مسلک کے بارے میں کوئی بات منقول ہو نہ کہ ان کی ذات کے بارے میں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث نبوی سے اخذ و استدلال کے بارے میں دونوں کے نقطہ ہائے نظر مختلف تھے۔ اگرچہ حدیث دونوں کے نزدیک بالاتفاق اسلامی قانون کا ماخذ ہے۔

امام احمد فرمایا کرتے تھے:

"میرے نزدیک ضعیف حدیث آدمیوں کی رائے سے بہتر ہے"

بخلاف ازیں امام ابو حنیفہ قبولیتِ حدیث میں تشدد سے کام لیتے اور اسی حدیث سے استدلال کرتے تھے جو ثقہ راویوں سے منقول ہو۔ مگر ایسے اختلاف کو دوسرے شخص پر نقد و طعن قرار نہیں دیا جا سکتا ۔۵

وللناس فیما یعشقون مذاھب

جدال و نزاع کے ثمرات:

یہ ہیں اسباب و محرکات اس شور و شغب کے جو امام ابو حنیفہ کے عصر و عہد میں ان کے خلاف اٹھا اور جس نے چاروں طرف سے آپ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ نتیجہ کے طور پر ایسے افکار و نظریات کو آپ کی جانب منسوب کیا گیا جن کے آپ سرے سے قائل و معتقد تھے ہی نہیں۔ بعض لوگوں نے آپ کو مرجیہ قرار دیا اور بعض نے قدریہ۔ بعض لوگوں کی رائے میں آپ قائل تناسخ تھے اور بعض کے نزدیک منکر حدیث۔ بہت سے لوگ آپ کو خدا کے دین میں عقل و رائے سے کام لینے والا اور خواہشات کا پیرو تصور کرتے تھے۔

امام ابو حنیفہ کی وفات اور ان کے فقہی مسلک کے ذیوع و شیوع کے بعد یہ الزامات

Marfat.com

صفحۂ کائنات سے محو ہو گئے اور ان کا کوئی نشان باقی نہ رہا۔ البتہ آپ کے اعداء و خصوم کے عائد کردہ اتہامات میں سے دو باتیں ہنوز باقی ہیں جن کی وجہ گروہی تعصب اور ائمہ کے طرقِ اجتہاد سے ناآشنائی ہے۔ یہ اسی بہتان طرازی کا نتیجہ ہے کہ عصرِ حاضر کے منکرین حدیث نے اس سے فائدہ اٹھایا اور امام ابوحنیفہؒ کا حوالہ دے کر حدیث کو مشکوک قرار دیا۔ فجر الاسلام کے مصنف احمد امین نے یہی شیوہ اختیار کیا ہے۔

وہ الزامات یہ ہیں کہ :-

(۱) ۔ امام ابوحنیفہ حدیث نبوی میں کم سواد تھے۔

(۲) ۔ آپ حدیث صحیح کے مقابلہ میں رائے و قیاس کو ترجیح دیتے تھے۔

اب ہم ان دونوں الزامات پر بحث کر کے بتائیں گے کہ یہ کس تاریخی دلیل و برھان پر مبنی ہیں؟ نیز ہم فقہ حنفی کے حقائق اور امام ابوحنیفہ سے منقول فقہی و اجتہادی مسائل کے ساتھ ان کا موازنہ کر کے ان کی حقیقت واضح کریں گے۔

کیا امام ابوحنیفہ حدیث میں کم مایہ تھے؟

خطیب بغدادی نے متعدد علماء سے نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ علم حدیث میں کم مایہ اور کمزور تھے۔ مندرجہ ذیل اقوال ملاحظہ ہوں:

نام قائل	قول
(۱) عبداللہ بن مبارک۔	امام ابوحنیفہ یتیم فی الحدیث تھے۔
(۲) ابن قطن۔	آپ علم حدیث میں اپاہج تھے۔
(۳) یحییٰ بن سعید القطان۔	ابوحنیفہ محدث نہ تھے۔
(۴) یحییٰ بن معین۔	امام ابوحنیفہ کے پاس علم حدیث تھا ہی کہاں کہ آپ ان سے حدیث کے بارے میں سوال کریں؟
(۵) احمد بن حنبل۔	آپ کے پاس نہ رائے تھی اور نہ حدیث۔
(۶) ابوبکر بن داؤد۔	ابوحنیفہ سے صرف ایک سو پچاس (۱۵۰) احادیث مروی ہیں۔ ان میں سے نصف میں آپ سے غلطی سرزد

Marfat.com

(۷) عبدالرزاق رح	ہوئی ہے۔ میں نے ابوحنیفہ رح سے روایت صرف اپنے شیوخ حدیث کی تعداد بڑھانے کے لیے کی ہی۔ میں نے بیس ۲۰ سے کچھ اوپر احادیث آپ سے روایت کی ہیں۔
(۸) ابوالمدینی۔	امام ابوحنیفہ رح نے پچاس حدیثیں روایت کی ہیں۔ ان میں سے بعض میں آپ سے غلطی سرزد ہوئی ہے۔

(تاریخ خطیب بغدادی۔ ج ۱۳۔ ص ۴۴۴)

ہم مذکورہ صدر اقوال کی سند پر نقد و تبصرہ نہیں کرنا چاہتے۔ محققین ان کی اسانید پر جرح و قدح کر کے ان کا ضعف ثابت کر چکے ہیں۔ انہوں نے ثابت کر دیا ہے کہ خطیب نے ان کی نقل و روایت میں انصاف سے کام نہیں لیا۔ البتہ ہم اس زاویۂ نگاہ کو نقد و تبصرہ کا موضوع بنانا چاہتے ہیں جس کو امام ابوحنیفہ کے اعداء و خصوم اور منکرین حدیث ہمیشہ دہراتے چلے آئے ہیں۔ بعض مورخین نے حسن نیت کے ساتھ بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً ابن خلدون نے مقدمہ میں بصیغۂ تمریض (قیل) ذکر کیا ہے کہ آپ کی مرویات کی تعداد سترہ ۱۷ ہے۔ علامہ کوثری نے اپنی کتاب "تانیب الخطیب علیٰ ما ساق فی ترجمۃ ابی حنیفۃ من الاکاذیب" میں ان اقوال کو شدید نقد و جرح کا نشانہ بنایا ہے۔

ہم اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتے کہ مسلمانوں کا ایک عظیم امام جس کا فقہی مسلک تمام فقہی مذاہب و مسالک سے فروع استنباط کے لحاظ سے وسیع تر ہو۔ کائناتِ ارضی کے لاکھوں مسلمان آپ کے حلقہ بداماں ہوں اور علم حدیث میں ان کی کم مائگی کا یہ عالم ہو کہ ان کو کل سترہ ۱۷ یا ایک صد پچاس احادیث یاد ہوں۔ یہ بات کیوں کر درست ہو سکتی ہے؟

(۱) سب موافق و مخالف اس بات پر متفق ہیں کہ ابوحنیفہ ایک مجتہد امام تھے۔ مجتہد کے لازمی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ احادیثِ احکام پر حاوی ہو۔ ایسی احادیث ہزاروں کی تعداد میں ہیں۔ بعض حنابلہ کے مطابق ان کی کم از کم تعداد کئی سو ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ اجتہاد کی ایک ضروری شرط کے فقدان کے باوجود آپ مسندِ اجتہاد پر فائز ہوتے؟ مزید یہ

Marfat.com

ائمہ دین نے آپ کے اجتہاد و فقہ پر کیوں کر اعتماد کیا؟ وہ کیوں کر اسے نقل و روایت کرتے چلے آئے اور اپنی تحریر و تقریر میں اس پر روشنی ڈالتے رہے حالاں کہ وہ کسی اساس پر قائم نہ تھی؟

(۲) ۔ امام ابو حنیفہ کے فقہی مسلک کے مطالعہ سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ اس مذہب کے سینکڑوں مسائل احادیث صحیحہ کے موافق ہیں۔ شارح قاموس سید مرتضیٰ زبیدی نے ایسی احادیث کو اپنی کتاب "اَلدُّرُّ الْمُنِیْفَۃُ فِیْ اَدِلَّۃِ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ" میں جمع کر دیا ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ اگر جناب امام کو صرف چند احادیث یا پچاس۵۰ اور یا ایک سو پچاس۱۵۰ احادیث یاد تھیں۔ جن میں سے آدھی غلط تھیں تو پھر آپ کا اجتہاد سینکڑوں احادیث صحیحہ سے کیوں کر ہم آہنگ ہوا؟

(۳) ۔ محدث ابن ابی شیبہ نے اپنی کتاب مصنف میں ایک باب باندھا ہے جس میں وہ مسائل گنائے ہیں جن میں امام ابو حنیفہ نے احادیث صحیحہ کی خلاف ورزی کی ہے۔ ان کی تعداد ایک سو پچیس۱۲۵ ہے۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ ابن ابی شیبہ کی یہ تنقید صحیح ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ امام ابو حنیفہ سے علاوہ ازیں جو مسائل منقول ہیں وہ موافق حدیث ہیں۔ جو مسائل آپ سے مروی ہیں ان کی کم از کم تعداد تراسی ہزار بتائی جاتی ہے۔ بعض روایات کے مطابق ان کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ابن ابی شیبہ نے جن مسائل کو خلاف حدیث بتایا ہے ان کے علاوہ لاتعداد دیگر مسائل کو وہ موافق حدیث قرار دیں گے یا نہیں۔ قطع نظر اس سے کہ ان کے بارے میں کوئی حدیث مروی ہو یا نہ ہو۔ اگر ان سب یا بعض کے بارے میں احادیث منقول ہوں گی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ امام ابو حنیفہ کے یہاں سینکڑوں بلکہ ہزاروں احادیث موجود ہیں۔ اور اگر ان مسائل میں سے کسی کے بارے میں بھی کوئی حدیث منقول نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ احادیث کی تعداد ایک سو پچیس۱۲۵ سے زائد نہیں ہے۔ حالانکہ ائمہ اہل اسلام اور محدثین میں سے کوئی شخص بھی اس کا قائل نہیں۔

(۴) امام ابو حنیفہ کا شمار ان لوگوں کے زمرہ میں ہوتا ہے جن کے افکار و آراء کو اصطلاحات حدیث کے سلسلہ میں ذکر کیا جاتا ہے۔ پھر آپ حدیث کے فن میں کم مایہ کیوں کر ہو سکتے ہیں؟ فن حدیث کے علماء کے نزدیک آپ کو ان آئمہ میں شامل کیا جاتا ہے، جن کے نظریات کو حدیث کے

Marfat.com

قواعد و رجال کے سلسلہ میں نہ صرف ملحوظ رکھا جاتا بلکہ آپ کے مذہب و مسلک پر اعتماد کیا جاتا اور احادیث کے ردّ و قبول میں معیار ٹھہرایا جاتا ہے۔

(۵) ۔امام ابوحنیفہ نے چار ہزار شیوخِ حدیث سے استفادہ کیا تھا حتّٰی کہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں آپ کو "ثقہ اور حافظ حدیث" کے لقب سے یاد کیا ہے۔ یحییٰ بن نصر کہتے ہیں:

"میں امام ابوحنیفہ کے گھر گیا تو اُسے کتابوں سے لبریز پایا۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ فرمایا یہ کتبِ حدیث ہیں۔ میں نے ان میں سے صرف وہی حدیثیں روایت کی ہیں جن سے فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے۔"

(۶) امام ابوحنیفہ نے اگرچہ دیگر محدثین کی طرح حدیث نبوی کی تدریس کے لیے کوئی حلقۂ درس قائم نہیں کیا اور نہ ہی امام مالک کی طرح حدیث کی کوئی کتاب مرتب کی۔ تاہم آپ کے تلامذہ نے آپ کی روایت کردہ احادیث کو کتب و مسانید میں جمع کیا۔ جن کی تعداد دس سے زائد ہے۔ اس ضمن میں مشہور ترین کتب حسب ذیل ہیں۔

۱ ۔ کتاب الآثار ابو یوسف۔

۲ ۔ کتاب الآثار المرفوعہ محمد بن حسن۔

۳ ۔ الآثار المرفوعۃ والموقوفۃ محمد بن حسن۔

۴ ۔ مسند حسن بن زیاد۔

۵ ۔ مسند حمّاد بن امام ابی حنیفہ۔

مسانید ابی حنیفہ مرتب کرنے والوں میں مندرجہ ذیل اہل علم کے نام شامل ہیں:

(۱) ذہبی (۲) بخاری (۳) حارثی (۴) ابن المظفر (۵) محمد بن جعفر (۶) ابونعیم اصبہانی (۷) قاضی ابوبکر انصاری (۸) ابن ابی العوام سعدی (۹) ابن خسرو بلخی۔

بعد ازاں قاضی القضاۃ ابوالمؤید محمد بن محمود خوارزمی متوفی ۶۶۵ھ نے تمام مسانید کو ایک ضخیم کتاب میں یکجا کر دیا، اور اسے "جامع المسانید" کے نام سے موسوم کیا۔ خوارزمی نے اس کتاب کو فقہی ابواب پر مرتب کیا۔ مکررات کو حذف کر دیا۔

خوارزمی کتاب مذکور کے خطبہ میں لکھتے ہیں:

Marfat.com

"میں نے دیارِ شام میں بعض ایسے جہلاء سے سُنا جو اپنے علمی مرتبہ و مقام سے آگاہ نہیں کہ امام ابو حنیفہ حدیث نبوی میں کم سواد ہیں۔ اس نے دلیل یہ دی کہ امام شافعی نے مسند اور امام مالک نے مؤطا مرتب کی مگر امام ابو حنیفہ نے کوئی مسند مدوّن نہ کی۔ آپ صرف چند احادیث روایت کرتے تھے۔ یہ سن کر دینی غیرت نے مجھے آلیا اور میں نے چاہا کہ ان پندرہ مسانید کو یکجا کر دوں جن کو بلند پایہ علماء نے مرتب کیا تھا۔"

یہ کتاب زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی ہے اور آٹھ سو صفحات پر مشتمل ہے۔

جن علماء نے مذکورہ صدر مسانید کو قراءۃً و کتابۃً و سماعاً روایت کیا ہے ان میں دیارِ شام کے حافظ حدیث شمس الدین بن طولون اور سرزمین مصر کے عظیم محدّث حافظ محمد بن یوسف کے اسماء شامل ہیں موخر الذکر اپنی کتاب "عقود الجمان" میں رقم طراز ہیں:

"امام ابو حنیفہ عظیم حافظِ حدیث اور محدّثین کے سرخیل تھے۔ اگر آپ حدیث نبوی سے شغف نہ رکھتے ہوتے تو فقہی مسائل کا استنباط آپ کے لیے ممکن نہ ہوتا۔ ذہبی نے آپ کو حفاظِ حدیث میں شامل کیا ہے اور بہت اچھا کیا ہے۔ کثرتِ احادیث کے باوجود آپ نے حدیثیں کم روایت کیں اس لیے کہ آپ استنباطِ مسائل میں منہمک رہا کرتے تھے۔ امام مالک و شافعی سے کثرت احادیث کے باوجود قلتِ روایت کی وجہ بھی یہی ہے۔ جس طرح حضرت ابو بکر و عمر جیسے کبار صحابہ نے وسعتِ علم کے باوصف کم حدیثیں روایت کیں۔ حالانکہ دیگر صحابہ کی مرویات ان سے بہت زیادہ ہیں۔"

آگے چل کر حافظ محمد بن یوسف نے ایسے واقعات بیان کیے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کو بکثرت احادیث یاد تھیں۔ پھر آپ نے جناب امام کی ان اسانید کا تفصیلی ذکر کیا ہے جو سترہ مسانید کے جامعین نے ذکر کی ہیں۔ اسی طرح حافظ ابن طولون نے اپنی کتاب "الفہرست الاوسط" میں مذکورہ سترہ[۱۷] مسانید میں بیان کردہ امام صاحب کی اسانید پر روشنی ڈالی ہے۔

خطیب بغدادی نے جب دمشق کا سفر اختیار کیا تو دار قطنی اور ابن شاہین کی مسند ابی حنیفہ ان کے ہمراہ تھی۔ علاوہ ازیں خطیب کی اپنی مسند ابی حنیفہ بھی ان کے پاس موجود تھی۔ یہ سابق الذکر

Marfat.com

مسانید کے علاوہ ہیں۔

علامہ بدرالدین عینی نے اپنی تاریخ کبیر میں ذکر کیا ہے کہ ابن عقدہ کی مسند ابی حنیفہ ایک ہزار سے زائد احادیث پر مشتمل ہے۔ یہ مسند بھی سابق الذکر مسانید سے الگ ہے۔ امام سیوطی "التعقیبات" میں لکھتے ہیں کہ ابن عقدہ عظیم حافظ حدیث تھے۔ وہ ثقہ تھے اور ان کی تضعیف وہی شخص کرتا ہے جو متعصب ہو۔

امام ابوحنیفہ کے شاگرد رشید زفر نے بھی ایک "کتاب الآثار" مرتب کی ہے اور اس میں بکثرت احادیث امام صاحب سے روایت کی ہیں۔ ابس کا ذکر حاکم نے اپنی کتاب "معرفۃ علوم الحدیث" میں کیا ہے۔

یہ ہے امام ابوحنیفہ کے قلیل الحدیث ہونے کے بارے میں صحیح قول!

(تانیب الخطیب، ص ۱۵۶)

جس طرح حدیث میں آپ کے کم مایہ ہونے کا بہتان غلط ثابت ہوا۔ اسی طرح دوسرے الزام کا بطلان بھی ثابت ہو جائے گا کہ آپ کے نزدیک صرف دس سے کچھ اوپر احادیث صحیح تھیں اس الزام کے بارے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ کسی معتبر کتاب میں مذکور نہیں۔ اور صرف ابن خلدون نے اس کو ذکر کیا ہے۔ ابن خلدون کی عبارت مبہم و مجمل ہے۔ اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ آپ کی مرویات کی تعداد اتنی ہے، مگر یہ بات غلط ہے۔ جن مسانید کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں اور فقہ حنفی میں جو احادیث مذکور ہیں ان کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سفید جھوٹ ہے اور اس کی کوئی دلیل موجود نہیں۔

غالباً ابن خلدون کے قول کا منشاء یہ ہے کہ محمد بن حسن نے امام مالک سے موطا روایت کی اور اس میں تیرہ ۱۳ احادیث کا اضافہ کیا جو انہوں نے امام ابوحنیفہ سے روایت کی تھیں۔ چار احادیث ابو یوسف کی روایت سے اس میں شامل کر دیں۔ جہلاء نے سمجھا کہ امام ابوحنیفہ کے یہاں صرف یہی احادیث صحیحہ تھیں۔ تاہم اس امر کی تحقیق ضروری ہے کہ ابن خلدون نے کس ماخذ سے یہ بات اخذ کی ہے؟

ہم قارئین کو بعض مصنفین کی اس غلطی سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں جس میں شاہ ولی اللہ دہلوی

Marfat.com

جیسے اکابر بھی مبتلا ہو گئے۔ جیسا کہ آپ نے حجۃ اللہ البالغہ میں بیان کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے یہاں قلت حدیث کی وجہ یہ تھی کہ کوفہ ان دنوں دارالحدیث نہ تھا یہ فاش غلطی ہے جس کا بڑا سبب اس حقیقت سے بے خبری ہے کہ کوفہ کو امام صاحب کے زمانہ میں ایک علمی شہر کا مقام حاصل تھا۔ نیز یہ کہ امام ابوحنیفہ نے مختلف اسلامی دیار و امصار کی جانب علمی سفر اختیار کر کے اپنے علم و فضل میں اضافہ کیا تھا۔

کوفہ کی بنا ۱۷ھ میں پڑی۔ یہ اس وقت ہی سے کبار صحابہؓ کا مرکز و محور چلا آتا تھا۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو کوفہ بھیجا تاکہ وہاں کے رہنے والوں کو قرآن و فقہ کی تعلیم دیں۔ اسلام لانے والوں میں آپ کا چھٹا نمبر تھا۔ ان کو کوفہ بھیجتے وقت حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"میں نے عبداللہ کو تمہارے پاس بھیج کر تم کو اپنی ضرورت پر ترجیح دی ہے"

اس کے معنی یہ ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ اتنے بڑے عالم تھے کہ خلیفہ بھی اپنے دارالحکومت میں ان سے بے نیاز نہیں رہ سکتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

جو شخص قرآن کو اسی طرح تازہ پڑھنا چاہے جس طرح وہ اترا تھا تو وہ عبداللہ بن مسعودؓ کی طرح پڑھے"

حضرت عمرؓ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا:

"عبداللہ بن مسعودؓ علم کا بھرا ہوا کوٹھا ہیں"

خلاصہ یہ کہ بکثرت اخبار و آثار میں آپ کے علم و فضل کی مدح و ستائش کی گئی ہے۔ ایسا جلیل القدر صحابی خلافت فاروقی سے لے کر عثمانی خلافت کے اختتام تک کامل جد و جہد کے ساتھ اہل کوفہ کی تدریس و تربیت میں مشغول رہا۔ کوفہ کے لاتعداد قراء و فقہاء آپ کے سرچشمہ علم و فضل سے سیراب ہوئے۔ حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ کے فقہاء کو دیکھ کر بے حد خوش ہوئے تھے۔ آپ نے حضرت ابن مسعودؓ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا:

"تو نے اس بستی کو علم و فقہ سے بھر دیا"

آپ کے شاگرد اور شاگردوں کے شاگرد چار ہزار تک پہنچ گئے تھے۔ یہ تمام لوگ کوفہ کے

Marfat.com

تاباں و درخشاں ستارے تھے۔

جب حضرت علی اور دیگر کبار صحابہ کوفہ میں بس گئے تو اہل کوفہ کی تعلیم و تربیت میں اور ترقی ہوئی اس وقت حالت یہ تھی کہ کثرتِ محدثین و فقہاء اور ماہرین علوم القرآن و عربی لغت کے اعتبار سے پورے عالم اسلامی میں کوفہ کی نظیر نہ تھی۔ فصیح ترین عربی قبائل اور کبار صحابہ کے قیام اور بود و باش کی وجہ سے کوفہ کا شہر فصاحت و بلاغت میں بھی عدیم المثال تھا۔ اگر حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ کے کبار اصحاب و تلامذہ کے تراجم تحریر کیے جائیں تو اُن سے ایک ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔ تاریخ پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالنے سے یہ حقیقت ابھر کر سامنے آتی ہے کہ عراق کے دیگر بلاد و دیار کو چھوڑ کر صرف کوفہ کے شہر میں ایک ہزار پانچ سو صحابہ کرام سکونت گزین تھے۔

مشہور تابعی مسروق بن اَجدع فرماتے ہیں:

"میں نے یوں پایا کہ اصحابِ محمدؐ کا علم مندرجہ ذیل چھ صحابہ پر ختم ہو جاتا ہے۔ حضراتؓ علی[1] و عبداللہ[2] و عمر[3] و ابوالدرداء[4] و اُبَی بن کعب[5] و زید[6] رضی اللہ عنہم۔ پھر میں نے محسوس کیا کہ ان چھ صحابہ کا علم حضرت علی و ابن مسعود میں محدود ہے۔" (حسن النقاضی)

جہاں تک امام ابوحنیفہ کے علمی سفر کا تعلق ہے آپ بصرہ و مدینہ میں دس دفعہ آئے۔ مکہ میں ۱۳۰ھ تا ۱۳۶ھ چھ سال مسلسل قیام فرمایا۔ مکہ و مدینہ میں رہ کر یہاں کے اکثر علماء اور بعض بیرونی فضلاء سے بھی ملے۔ مثلاً آپ امام اَوزاعی سے ملے۔ آپ نے حضرت ابن عباس کا علم ان کے شاگردوں سے مکہ میں حاصل کیا اور حضرت عمر کا علم مدینہ میں ان کے تلامذہ سے سیکھا۔ آپ نے بعض آئمہ اہل بیت مثلاً زید بن علی زین العابدین محمد باقر اور ابو محمد بن عبداللہ بن حسن سے بھی استفادہ کیا۔ (مناقب ابی حنیفہ از مکی)

خطیب بغدادی نے تاریخ میں روایت کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ ایک دن خلیفہ منصور کے پاس تشریف لائے۔ وہاں عیسیٰ بن موسیٰ بھی تھے انہوں نے منصور سے کہا "یہ عصرِ حاضر کے سب سے بڑے عالم ہیں۔" خلیفہ منصور نے کہا "نعمان! آپ نے علم کس سے حاصل کیا؟" فرمایا "حضرت عمر و علی و ابن مسعود رضی اللہ عنہم کے اصحاب و تلامذہ سے"، حضرت ابن عباس کے

زمانہ میں ان سے بڑھ کر کوئی عالم نہ تھا۔ امام ابوحنیفہ نے ابن عباس کے تلامذہ سے بھی کسب فیض کیا تھا۔ منصور نے کہا "آپ نے اپنے اطمینان کا سامان مہیا کر لیا"

(تاریخ بغداد، ج ۱۴۔ ص ۳۲۴)

قابل غور بات یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ جیسا شخص جس نے مشہور ترین صحابہ کے علم کو اپنے سینہ میں جمع کر لیا ہو اس کے بارے میں یہ عذر کیوں کر صحیح ہے کہ وہ کوفہ کے قلیل الحدیث شہر میں بود و باش رکھتے تھے۔ حالاں کہ کوفہ حضرات صحابہ و علماء سے بھرپور تھا اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علیؓ جیسے اکابر صحابہ وہاں توطن پذیر تھے۔

کیا امام ابوحنیفہ رائے کو حدیث سے مقدم سمجھتے تھے؟

ہم آپ کے اس فقہی ضابطہ پر روشنی ڈال چکے ہیں کہ جب صحیح حدیث موجود ہو اور وہ ثقہ راویوں کے یہاں مشہور بھی ہو۔ تو امام ابوحنیفہ اس کے ہوتے ہوئے کسی رائے قیاس یا استحسان کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ ابن ابی العوام نے مسند میں قاضی ابویوسف سے روایت کیا ہے کہ:

"جب امام ابوحنیفہ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو پوچھتے کیا اس مسئلہ میں آپ کے یہاں کچھ آثار موجود ہیں؟ جب ہم وہ آثار بیان کر دیتے اور آپ اپنے اقوال ذکر کر چکتے تو دیکھتے اگر دونوں میں سے کسی قول کے بارے میں زیادہ آثار ہوتے تو اُن پر عمل کرتے۔ اگر دونوں طرف برابر آثار ہوتے تو اُن میں سے جو اثر چاہتے منتخب کر لیتے" (تانیب الخطیب ص ۸۶)

موفق خوارزمی اپنی سند کے ساتھ سمرقندی کی "کتاب العالم والمتعلم" میں ابوحنیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

"جو بات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہو، وہ ہم نے سنی ہو یا نہ سنی ہو، بسر و چشم تسلیم ہے۔ ہم اس پر ایمان لانے اور شہادت دیتے ہیں کہ وہ اسی طرح ہے جیسے آپ نے فرمائی"

ابن عبدالبر نے اپنی کتاب "الانتقاء" میں امام ابوحنیفہ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

"رسول کریمؐ کی خلاف ورزی کرنے والے پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے۔ انہی کی وجہ سے

Marfat.com

اللہ نے ہم کو عزت بخشی اور عذاب جہنم سے رہائی دلائی"

امام بیہقی نے المدخل میں عبداللہ بن مبارک سے نقل کیا ہے کہ میں نے امام ابوحنیفہ کو فرماتے سنا کہ:

"جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات مروی ہو تو ہم بسر و چشم اس کو قبول کریں گے۔ جب صحابہ سے کوئی بات منقول ہو تو ہم اُس میں سے اپنا پسندیدہ قول منتخب کرلیں گے۔ جب تابعین سے کوئی قول منقول ہو تو ہم اُن کا مقابلہ کریں گے" (مفتاح الجنۃ، ص ۳۱)

امام ابن عبدالبر نے محمد بن حسن شیبانی کا قول نقل کیا ہے:

"علم کی چار قسمیں ہیں۔ ان کے علاوہ دوسری کوئی قسم نہیں ہے۔

(۱) جو بات قرآن کریم میں مذکور ہو یا اس سے ملتی جلتی ہو۔

(۲) جو بات حدیث رسولؐ میں موجود ہو یا اس کے مماثل ہو۔

(۳) جس پر صحابہ کا اجماع منعقد ہو چکا ہو یا اس سے ملتی جلتی ہوئی بات۔

(۴) وہ بات جس میں صحابہ کے یہاں اختلاف پیدا ہوا ہو اور اس کے کسی نہ کسی پہلو کے بارے میں کسی صحابی کا قول موجود ہو۔

اور اگر ان اقوال میں سے کسی قول کو منتخب کرلیا گیا ہو تو ہم ملتے جلتے مسائل کو اس پر قیاس کریں گے۔ (جامع بیان العلم، ج ۲۔ ص ۳۶ نیز اصول السرخسی، ج ۱ ص ۳۱۸)

امام شعرانی نے میزان میں مندرجہ ذیل اقوال امام ابوحنیفہ سے نقل کیے ہیں:

(۱) ۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ ہم قیاس کو نص کے مقابلہ میں ترجیح دیتے ہیں وہ افترا پردازی سے کام لیتا ہے۔ نص کی موجودگی میں قیاس کی ضرورت ہی کیا ہے۔

(۲) ۔ ہم شدید ضرورت کے بغیر قیاس نہیں کرتے۔ ہم کسی مسئلہ کی دلیل کتاب و سنت یا فتاویٰ صحابہ میں تلاش کرتے ہیں جب وہاں کوئی دلیل نہیں ملتی تو ہم قیاس سے کام لیتے ہیں۔

(۳) ۔ ہم پہلے کتاب اللہ پر عمل کرتے ہیں، پھر حدیث رسول پر اور پھر صحابہ کے اجماعی فیصلہ جات پر اگر صحابہ مختلف الرائے ہوں تو ہم دو مسئلوں میں اتحاد علت کی بناء پر قیاس کرتے ہیں۔

(۴) ۔ جو بات رسول کریمؐ سے مروی ہو وہ سر آنکھوں پر۔ میرے ماں باپ اُن پر فدا ہوں ہم آپؐ

Marfat.com

کی مخالفت نہیں کر سکتے۔ جو بات صحابہ سے منقول ہو ہم اس ضمن میں اپنا پسندیدہ قول چن لیتے ہیں۔ اور جو بات صحابہ کے علاوہ دوسروں سے منقول ہو تو ہم بھی آدمی ہیں اور وہ بھی آدمی ہیں

(یہ چاروں اقوال میزان شعرانی ج ۱۔ ص ۵۱ سے ماخوذ ہیں)

امام محمد نے المبسوط میں ایک فصل اخبارِ آحاد سے اخذ و احتجاج کے سلسلہ میں منعقد کی ہے۔ اس ضمن میں آپ نے متعدد احادیث نبویہ اور عمل صحابہ سے استدلال کیا ہے۔ یہی دلائل امام شافعی نے اپنی کتاب "الرسالۃ" میں بیان کیے ہیں۔ ان دلائل سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ امام ابو حنیفہ حدیث کے مقابلہ میں رائے کو ترجیح نہیں دیتے تھے، خواہ وہ رائے کیسی اور کسی شخص کی بھی ہو۔ یہاں تک کہ امام ابن حزم جیسا شخص اس بات پر فقہائے عراق کا اجماع نقل کرتا ہے کہ حدیث ضعیف قیاس کے مقابلہ میں قابل ترجیح ہے۔

امام ابن قیم اِعلامُ المُوَقِّعین میں لکھتے ہیں:

"اصحابِ ابی حنیفہ کا اس امر پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ امام صاحب کے نزدیک ضعیف حدیث قیاس و رائے سے افضل ہے۔ فقہ حنفی کی اساس اسی پر رکھی گئی ہے۔ مندرجہ ذیل مسائل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) جس حدیث میں قہقہہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ ضعیف ہے۔ تاہم امام صاحب نے اس کو قیاس پر ترجیح دی ہے۔

(۲) حالت سفر میں نبیذ کے ساتھ وضو کرنے کی اجازت پر مشتمل حدیث ضعیف ہے۔ تاہم آپ نے اس کو قیاس پر ترجیح دی ہے۔

(۳) جب چور دس درہم سے کم چرائے تو بقول ابو حنیفہ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ حالانکہ اس میں وارد شدہ حدیث ضعیف ہے۔

(۴) امام ابو حنیفہ نے حیض کی زیادہ سے زیادہ مدت ایک ضعیف حدیث کے مطابق دس دن مقرر کی ہے۔

(۵) ایک ضعیف حدیث کے پیش نظر آپ نے جمعہ کے لیے مصر کی شرط ٹھیرائی ہے۔

Marfat.com

(۶) کنوئیں کے مسائل سے متعلق صرف غیر مرفوع آثار کی بنیاد پہ آپ نے قیاس کو چھوڑ دیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ و احمد بن حنبل کی رائے میں حدیث ضعیف اور اقوالِ صحابہ کو قیاس کے مقابلہ میں ترجیح دی جاتی ہے۔ علمائے سلف جب کسی حدیث کو ضعیف کہتے ہیں تو اس کے وہ معنی نہیں ہوتے جو متاخرین کے یہاں مراد ہیں۔ بخلاف ازیں متاخرین جس حدیث کو حسن کہتے ہیں متقدمین اسی کو ضعیف کہہ دیتے ہیں۔" (اعلام ابن قیمؒ)

میں کہتا ہوں کہ جن احادیث پر امام ابو حنیفہ نے اپنے مسلک کی بنیاد رکھی ہے اور وہ دیگر محدثین کے نزدیک خواہ علمائے سلف کی اصطلاح کے مطابق ضعیف ہی ہوں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ امام ابو حنیفہ کے یہاں بھی وہ ضعیف ہوں۔ بخلاف ازیں آپ کے اصولِ عامہ کے مطابق وہ احادیث صحیح ہوں گی۔ احادیث کی تصحیح و تضعیف میں اختلاف ایک طبعی امر ہے۔ ایک امام جس حدیث کو صحیح قرار دیتا ہے دوسرے کے نزدیک وہ صحیح نہیں ہوتی۔

بہرکیف احناف کی تردید میں سرگرم حصہ لینے والے ہر دور کا بڑا امام ابن حزمؒ ابن قیمؒ کا مندرجہ صدر بیان اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ امام ابو حنیفہ قیاس و رائے کے مقابلہ میں حدیثِ ضعیف کو ترجیح دیتے تھے۔ مزید براں ہم بیان کر چکے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک مراسیل لائقِ احتجاج اور قیاس کے مقابلہ میں قابلِ ترجیح ہیں۔ امام شافعی چند شرائط کے ساتھ حدیثِ مرسل کو قبول کرتے ہیں جب کہ تمام محدثین بالاتفاق اس سے احتجاج نہیں کرتے۔ مراسیل کے بارے میں جناب امام نے جو موقف اختیار کیا ہے اس سے یہ حقیقت واشگاف ہوتی ہے کہ آپ قیاس کی پناہ اس وقت لیتے ہیں جب کوئی چارۂ کار باقی نہ رہے اور کوئی قابلِ اعتماد حدیث و اثر موجود نہ ہو۔ پھر یہ بات کیونکر درست ہو سکتی ہے کہ آپ حدیث کے مقابلہ میں قیاس کو ترجیح دیتے تھے؟

خطیب بغدادی اپنی تاریخ میں متعدد راویوں سے نقل کرتے ہیں کہ وہ چند احادیث لے کر امام ابو حنیفہ کے یہاں گئے مگر آپ نے قبول نہ کیا۔ خطیب بغدادی یوسف بن اسباط سے

Marfat.com

روایت کرتے ہیں کہ ابو حنیفہ نے چار صد سے زائد احادیث کو رد کر دیا۔ اس نے چار سو میں سے صرف چار حدیثیں ذکر کیں۔ خطیب نے وکیع کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

"امام ابو حنیفہ ۔ وصد احادیث کی مخالفت کی"۔

حماد بن سلمہ کہتے ہیں:

"ابو حنیفہ احادیث و آثار کو اپنی رائے کے مقابلہ میں ٹھکرا دیا کرتے تھے"۔

ان اقوال کی نسبت ان کے قائلین کی جانب صحیح ہو یا غلط، یہ حقیقت کہ ان میں سے بعض آپ کے شاگرد اور رفیق بھی تھے، اس امر کو واضح کرتی ہے کہ یہ اقوال آپ کے فرمودہ نہیں ہیں۔ بلاشبہ آپ کے بعض معاصر محدثین آپ پر یہ تنقید کرتے تھے کہ جو آثار ان کے نزدیک صحیح ہیں ابو حنیفہ ان کو رد کر دیتے ہیں۔

محدث ابن ابی شیبہ نے امام ابو حنیفہ پر یہ حرف گیری کی ہے کہ آپ نے ایک سو پچیس مسائل میں حدیث کی خلاف ورزی کی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ امام صاحب نے ایسا کیوں کیا؟ حالانکہ امام شافعی نے اس بات پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے کہ کسی مسلمان کے لیے حدیث صحیح کی مخالفت جائز نہیں۔ خود امام ابو حنیفہ نے فرمایا تھا:

"جو بات آنحضور سے منقول ہو سر آنکھوں پر"۔

اس کا جواب حسب ذیل ہے:

(۱) کسی حدیث کی تصحیح و تضعیف میں بعض اوقات مختلف خیالات کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ایک محدث مثلاً ابو حنیفہ ایک راوی کو عادل و ثقہ قرار دیتے ہیں۔ جبکہ دوسروں کے نزدیک وہ مجروح ہوتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ امام ابو حنیفہ نے اپنے جن شیوخ سے استفادہ کیا وہ ان کو ان محدثین سے بہتر جانتے تھے جنہوں نے اگلے ادوار میں ان کو ہدفِ تنقید بنایا۔ وہ زمانہ کے اعتبار سے بھی متقدم تھے۔ بسا اوقات ان کے اور صحابی کے درمیان صرف دو راویوں کا واسطہ ہوتا ہے۔ اندریں حالت قرب عہد کی وجہ سے وہ ان دو راویوں پر آسانی کے ساتھ جرح کر سکتے ہیں۔ نیز اس لیے کہ ان کے جانچنے

والے لوگ بھی اس وقت موجود تھے جن سے امام ابوحنیفہ ان کے بارے میں دریافت کر سکتے تھے۔ البتہ حجاز و شام کے وہ راوی جو آپ کے استاذ نہ تھے ان کے معاملے میں اکثر توقف کیا جاتا ہے۔

ان کے بارے میں ایسے نظریات کا اظہار بھی کیا جاتا ہے جو ان کے تلامذہ سے مختلف ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہ نے بعض ایسی احادیث پر عمل نہیں کیا جو دوسروں کے نزدیک صحیح تھیں۔ اسی طرح دیگر محدثین نے بعض ایسی احادیث کو متروک العمل ٹھیرایا جو امام صاحب کے نزدیک صحیح تھیں۔

(۲) بعض اوقات ایک حدیث ایک مجتہد اور دیگر محدثین کے نزدیک صحیح ہوتی ہے۔ مگر مجتہد کسی دوسری دلیل کی وجہ سے اس کو ظاہر پر محمول نہیں کرتا۔ یا کسی پوشیدہ علت یا اس سے قوی تر معارض دلیل کی بنا پر اس پر عمل کرنا چھوڑ دیتا ہے۔ یا راوی کے وہم کا اعتقاد رکھتا ہے۔ یا حدیث کو منسوخ قرار دیتا یا عام کی تخصیص اور مطلق کی تقیید کا قائل ہو کر اس پر عمل کرنا ترک کر دیتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ محدثین اور دوسرے لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ حدیث متروک العمل ہے۔ لیث بن سعد نے امام مالک کو جو خط لکھا تھا اس میں ستر احادیث صحیحہ گنائی تھیں جن کو امام مالک نے متروک العمل ٹھیرایا تھا۔ حالانکہ وہ احادیث مؤطا میں مندرج ہیں۔ (جامع بیان العلم، ج ۱۔ ص ۱۴۸)

شاذ و نادر ہی کوئی امام ایسا ہوگا جس نے اپنے نزدیک ثابت شدہ احادیث کو دیگر دلائل کے پیش نظر ترک نہ کیا ہو۔ ایک محدث نہ ایسے مقامات سے واقف ہو سکتا ہے اور نہ ان کے راز سے آگاہ و آشنا ہو سکتا ہے۔ اس لیے امام ابوحنیفہ نے محدث اور فقیہ کے مابین یہ فرق و امتیاز روا رکھا ہے کہ:

"جو شخص احادیث کا طالب ہو مگر ان کے فہم و ادراک پر قادر نہ ہو اس کی مثال اس عطار کی ہے جو ادویہ جمع کرتا ہو اور جانتا نہ ہو کہ یہ کس کس مرض کے لیے ہیں۔ حتیٰ کہ طبیب آکر اس کو آگاہ کرتا ہے۔ اسی طرح محدث بھی احادیث سے بہرہ ور نہیں ہوتا اور فقیہ اسے آکر سمجھاتا ہے۔" (مناقب ابی حنیفہ از موفق مکی۔ ج ۲۔ ص ۹۱)

اس کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے جس کو ابن عبدالبر نے قاضی ابو یوسف کے بارے میں نقل کیا ہے۔ قاضی صاحب فرماتے ہیں اعمش نے مجھ سے ایک مسئلہ پوچھا۔ ہم دونوں تنہا تھے میں نے اس کا جواب دے دیا۔ اعمش نے کہا "اس کی دلیل کیا ہے"؟ میں نے کہا وہی حدیث جو آپ نے مجھے سنائی تھی۔ پھر میں نے وہ حدیث بیان کر دی۔ اعمش نے کہا "یہ حدیث مجھے اس وقت سے یاد ہے جب آپ ہنوز پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ اس کا مطلب آج تک میری سمجھ میں نہ آیا۔

ابن عبدالبرؒ نے اپنی سند کے ساتھ عبیداللہ بن عمرو سے روایت کیا ہے کہ میں اعمش کی مجلس میں موجود تھا۔ ایک شخص نے آپ سے ایک مسئلہ پوچھا۔ اعمش نے کوئی جواب نہ دیا دیکھا تو ابو حنیفہ موجود تھے۔ کہا "نعمان! اس کا جواب دیجیے"۔ آپ نے جواب دے دیا۔ اعمش نے کہا "اس کی دلیل کیا ہے"؟ فرمایا "وہی حدیث جو آپ نے مجھے سنائی تھی"۔ اعمش نے کہا "ہم عطار ہیں اور آپ طبیب"۔ (جامع بیان العلم ج ۲۔ ص ۱۳۱)

۳۔ اس حقیقت سے مجالِ انکار نہیں کہ بعض احادیث امام ابو حنیفہ تک نہ پہنچ سکیں اور آپ کی نگاہ سے پوشیدہ رہیں۔ اس لیے کہ صحابہ شہروں میں بٹ گئے تھے۔ ایک شہر والوں کے پاس جو احادیث تھیں وہ دوسروں کے پاس نہ تھیں۔ صحابہ و تابعین کے عصر و عہد میں اور ان کے بعد کسی شخص نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ جملہ احادیث پر حاوی ہے۔ امام شعبی کے پاس ایک نوجوان آیا۔ اس نے بات چیت کی تو شعبی نے کہا "ہم نے یہ بات کبھی نہیں سنی"۔ نوجوان نے کہا "کیا آپ نے سب علمی باتیں سن لی ہیں"؟ شعبی نے کہا "نہیں"۔ نوجوان نے کہا "تو کیا آپ نے نصف علم کا احاطہ کیا ہے"؟ شعبی نے کہا "نہیں"۔ نوجوان نے کہا "تو پھر اس کو بھی نصف ثانی میں شامل کر لیجیے جو آپ نے نہیں سنا"۔ (تدریب الراوی، ص ۱۰۸)

یہ حقیقت ہے کہ قربِ عہد کے باوصف چند جلیل القدر صحابہ کو بعض احادیث کا علم حاصل نہ ہو سکا۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

(۱) حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مجوس پر جزیہ عائد کرنے سے متعلق حدیث اور حرمتِ ربا پر مشتمل حدیث کا پتہ نہ چل سکا۔ یہاں تک کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف

Marfat.com

نے ان کو دونوں حدیثوں سے آگاہ کیا۔

(۲) اسی طرح جناب فاروق رضؓ کو کسی کے گھر میں داخل ہونے کے لیے اجازت سے متعلق حدیث کا پتہ نہ چلا اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ نے اس کا احساس دلایا۔

(۳) جناب فاروق و ابن مسعود رضی اللہ عنہما کو تیمم پر مشتمل حدیث کا پتہ نہ چل سکا اور حضرت عمار بن یاسر اور دیگر صحابہ اس سے واقف تھے۔

(۴) حضرت عائشہ رضؓ و ابن عمر رضؓ و ابو ہریرہ رضؓ حدیثِ مسح سے بہرہ ور نہ تھے جبکہ حضرت علی رضؓ و حذیفہ رضؓ اس سے آگاہ تھے۔

(۵) حضرت عمر رضؓ اور زید بن ثابت رضؓ اس مسئلہ سے باخبر نہ تھے کہ حائضہ دورانِ حج آخری طواف سے پہلے جا سکتی ہے۔ حالانکہ ابن عباس رضؓ اور ام سُلیم رضؓ اس کو جانتے تھے۔

(۶) حضرت ابن عباس رضؓ نکاحِ متعہ کی حرمت سے واقف نہ تھے۔ اور صحابہ رضؓ نے آپ کو اس سے آگاہ کیا۔

(۷) حضرت طلحہ و ابن عباس و ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سونے چاندی کی بیع سے متعلق حدیث سے بے بہرہ تھے۔ جب کہ حضرت عمر رضؓ و ابو سعید و دیگر صحابہ اسے جانتے تھے۔

(الاحکام ابن حزم، ج ۲-ص ۱۲۷)

ایسے واقعات عہد صحابہ میں بکثرت وقوع پذیر ہوئے، مگر کسی نے ان پر حرف گیری نہ کی اور نہ کسی نے یہ کہا کہ یہ لوگ حدیث رسول سے ناواقف ہیں۔ بسا اوقات ایسا ہوا کہ انہوں نے حدیث معلوم ہونے سے قبل اس کے خلاف فتویٰ دے دیا۔ جب صحابہ سے ایسی غلطیاں صادر ہو سکتی ہیں تو امام ابو حنیفہ اس امر کے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کو معذور قرار دیا جائے۔

(۴) چونکہ امام جلیل کے عصر و عہد میں حدیث نبوی میں دروغ گوئی کا آغاز ہو گیا تھا اس لیے آپ نے خدا کے دین میں حزم و احتیاط کے پیش نظر قبولیت حدیث کے لیے کڑی شرطیں عائد کیں اور مقابلۃً سختی سے کام لیا۔ آپ کی عائد کردہ شرائط حسب ذیل ہیں۔

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ حدیث ان اصول مضوابط کے خلاف نہ ہو جو شرعی ماخذ کی چھان بین کے بعد آپ نے مقرر کیے تھے۔ جب خبر واحد ان سے معارض ہو گی تو اُسے چھوڑ کر دونوں

Marfat.com

دلیلوں میں سے جو اقویٰ ہے اس پر عمل کیا جائے گا۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ حدیث ظواہر کتاب اور اس کے عمومات سے متصادم نہ ہو۔ جب حدیث ان کے خلاف ہوگی تو ظاہر کتاب پر عمل کیا جائے گا اور حدیث متروک العمل ٹھہرے گی۔ البتہ جب حدیث کسی مجمل قرآنی حکم کی وضاحت کرے یا جدید حکم کی تصریح پر مشتمل ہو تو اس پر عمل کیا جائے گا۔

(۳) تیسری شرط یہ ہے کہ حدیث کسی قولی یا فعلی حدیثِ مشہور کے خلاف نہ ہو۔

(۴) چوتھی شرط یہ ہے کہ کسی اپنی ہم مرتبہ حدیث کے خلاف نہ ہو۔ اگر دونوں باہم متعارض ہونگی تو ان میں سے ایک کو ترجیح دی جائے گی۔ مثلاً دونوں راوی صحابہ میں سے ایک فقیہ تر ہو یا ایک فقیہ اور دوسرا غیر فقیہ ہو یا ایک نوجوان اور دوسرا بوڑھا ہو۔ کیوں کہ اس میں غلطی کا احتمال ہوتا ہے، اس لیے حدیثِ مرجوح کے مقابلہ میں راجح پر عمل کیا جاتا ہے۔

(۵) پانچویں شرط یہ ہے کہ راوی کا عمل اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف نہ ہو۔ مثلاً ابوھریرہؓ کی یہ روایت کہ جب کتا کسی برتن میں منہ ڈال دے تو اُسے سات مرتبہ دھویا جائے۔ یہ ان کے اپنے فتویٰ کے خلاف ہے۔

(۶) حدیث کے متن یا سند میں کوئی ایسا اضافہ نہ ہو جو کسی دوسری روایت میں موجود نہ ہو۔

(۷) حدیث کا تعلق کسی ایسے معاملہ سے نہ ہو جو لوگوں میں کثیر الوقوع ہو۔ اس لیے کہ ایسی صورت حدیث کا مشہور یا متواتر ہونا ضروری ہے۔

(۸) جب کسی مسئلہ میں دو صحابہ کے یہاں اختلاف پایا جاتا ہو تو دونوں میں سے ایک نے اس حدیث کے ساتھ احتجاج کرنا ترک نہ کر دیا ہو جس کو ان میں سے ایک نے روایت کیا ہو۔ اس لیے کہ اگر وہ حدیث ثابت ہوتی تو اُن میں سے ایک ضرور اس سے احتجاج کرتا۔

(۹) علمائے سلف میں سے کسی نے اس حدیث پر تنقید نہ کی ہو۔

(۱۰) جب حدود و عقوبات کے بارے میں روایات مختلف ہوں تو اس روایت کو معمول بہا بنایا جائے جس میں خفیف سزا کا حکم دیا گیا ہو۔

(۱۱) ایک ضروری شرط یہ بھی ہے کہ راوی نے جب کوئی حدیث سُنی ہو اس وقت سے لے کر اس کو آگے پہنچانے تک وہ حدیث اسے یاد رہی ہو اور درمیان میں وہ اسے بھول نہ گیا ہو۔

(۱۲) صحابہ و تابعین اس حدیث پر بلا تخصیص دیار و بلاد عامل رہے ہوں۔

(۱۳) راوی اپنی تحریر کی بجائے اپنے حافظہ پر اعتماد کرے۔

یہ ہیں وہ شرائط جو امام ابوحنیفہ نے خبر واحد کی صحت اور اس کے معمول بہ ہونے کے لیے ضروری قرار دیے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ محدثین مذکورہ صدر شرائط میں سے اکثر میں آپ کے ساتھ متفق نہیں۔ دیگر ائمہ بعض شرائط میں آپ کے خلاف ہیں۔ ہم یہاں نہ آپ کے نظریات کا دفاع کرنا چاہتے ہیں اور نہ آپ کی نصرت و حمایت کے درپے ہیں۔ ہمارا مقصد صرف یہ بیان کرنا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے بعض اخبارِ آحاد پر عمل کیوں نہیں کیا۔

مندرجہ صدر بیانات اس صداقت کی آئینہ داری کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ پر یہ الزام کہ آپ حدیث کو چھوڑ کر رائے پر عمل کرتے تھے اگر بنا بر اجتہاد تھا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں متقدمین و متاخرین اس طرح کرتے چلے آئے ہیں۔ اور اگر یہ ہوائے نفس اور فتنہ و عناد کی بناء پر تھا تو یہ بات ہرگز ممکن نہیں کہ امام ابوحنیفہ جیسا شخص اس امر کا مرتکب ہوتا۔ حالاں کہ آپ کا ورع و تقویٰ اور آپ کی اطاعت و انقیاد شک و شبہ سے بالا ہے۔

امام ابوحنیفہ کے نقطۂ فکر و نظر کی چند مثالیں :

ذیل میں ہم آپ کے اجتہاد کی چند امثلہ بیان کرتے ہیں، جن میں آپ نے بظاہر بعض احادیث کی خلاف ورزی کی ہے :

(۱) ایک مرتبہ امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی کی ملاقات ہوئی تو آپس میں یوں تبادلۂ افکار کرنے لگے :-

اوزاعی :- آپ رکوع کو جاتے اور اس سے اُٹھتے وقت رفع الیدین کیوں نہیں کرتے ؟

ابوحنیفہ :- اس لیے کہ اس ضمن میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں ہوئی۔

اوزاعی :- آپ یہ کیا فرما رہے ہیں، مجھے زہری نے سالم سے اور اس نے اپنے باپ سے سُن کر

Marfat.com

بتایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع کرتے وقت رکوع کو جاتے اور اس سے اُٹھتے وقت رفع الیدین کیا کرتے تھے۔

ابو حنیفہ:۔ مجھے حمادؒ نے ابراہیم نخعی سے اس نے علقمہ و اسود سے اور انہوں نے عبداللہ بن مسعودؓ سے سن کر بتایا کہ رسول کریمؐ صرف نماز شروع کرتے وقت ہاتھ اُٹھاتے تھے اور پھر نہیں اُٹھاتے تھے۔

اوزاعی:۔ میں آپ کو زہری، سالم اور ابن عمر جیسے راویوں کی نقل کردہ حدیث سناتا ہوں اور آپ حماد اور ابراہیم نخعی کا نام لیتے ہیں۔

ابو حنیفہ:۔ حماد زہری سے بڑے فقیہ تھے۔ ابراہیم نخعی سالم سے بڑھ کر فقہ دان تھے اور علقمہ عبداللہ بن عمر سے کم نہ تھے۔ اگرچہ ابن عمر صحابی تھے تاہم اسود بھی بڑے پایہ کے آدمی تھے۔ اور دوسری روایت میں یوں مذکور ہے کہ ابراہیم نخعی سالم سے فقیہ تر تھے۔ اگر ابن عمر صحابی نہ ہوتے تو میں کہتا کہ علقمہ عبداللہ بن عمر سے بڑے فقیہ تھے۔ اور عبداللہ بن مسعود تو آخر عبداللہ بن مسعود ہیں۔ یہ سُن کر اوزاعی خاموش ہو گئے۔ (حجۃ اللہ البالغہ، ج ۱-ص ۳۳۱)

(۲)۔ سفیان بن عیینہ ابو حنیفہ سے ملے اور پوچھا کیا آپ یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ جب بائع اور مشتری سودا کی بات چیت چھوڑ کر کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں تو سودا پکا ہو جاتا ہے اور ان کو سودا فسخ کرنے کا اختیار باقی نہیں رہتا۔ اگرچہ وہ ایک ہی جگہ مقیم ہوں؟ امام ابو حنیفہ نے کہا "جی ہاں!" سفیان نے کہا "آپ اس حدیث کی مخالفت کیوں کر کرتے ہیں جس میں آپ نے فرمایا کہ جب تک بائع و مشتری جُدا نہ ہوں ان کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہے" امام ابو حنیفہ نے کہا "بتائیے اگر بائع و مشتری کسی کشتی یا قید خانہ یا سفر میں ہوں تو پھر کیوں کر الگ ہوں گے؟

آپ دیکھ رہے ہیں کہ امام ابو حنیفہ نے حدیث کو رد نہیں کیا بلکہ جدا ہونے سے موضوع کلام میں تبدیلی مراد لی ہے جسمانی طور پر الگ ہونا مراد نہیں لیا۔ امام ابو حنیفہ نے حدیث کا جو مفہوم مراد لیا ہے۔ اس میں بڑی وسعت پائی جاتی ہے۔ دو شخص جو ایک ہی کشتی میں سفر کر رہے ہوں یا باہم رفیق سفر ہوں یا ایک ہی قید خانہ میں ہوں سب اس میں شامل ہیں۔ ایسے اشخاص باہم کئی

Marfat.com

کئی دن اور کئی ماہ تک یکجا رہتے ہیں تو کیا ان کے بارے میں ہم یہ کہیں گے کہ جب تک وہ ایک ہی جگہ میں مقیم ہیں ان کا سودا پختہ نہیں ہوا اور وہ جب چاہیں اس کو فسخ کر سکتے ہیں ؟

تفرق (علٰحدگی) کا لفظ کتاب و سنت میں موضوعِ سخن کی تبدیلی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا :

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔ — سب مل کر اللہ کی رسی کو تھام لو اور علٰحدگی اختیار نہ کرو۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

اِفْتَرَقَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى۔ — یہود و نصاریٰ جُدا جُدا ہو گئے۔

اس استنباط میں جو شخص امام ابوحنیفہ کی دِقت آفرینی و ژرف نگاہی پر غور نہیں کرتا وہ یہ پکار اُٹھے گا کہ امام صاحب یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ بائع و مشتری اگر ایک ہی مجلس میں بیع کو پکا کر دیں تو انہیں فسخ کا اختیار باقی نہیں رہے گا۔ اندریں صورت وہ فی الفور یہ فیصلہ صادر کر دے گا کہ امام صاحب نے حدیث کی خلاف ورزی کی۔ حالانکہ دراصل معاملہ یوں نہیں ہے۔

(۳) محدّث ابن ابی شَیبہ نے جنابِ امام کو جن اعتراضات کی آماجگاہ بنایا ہے ان میں ایک وہ حدیث ہے جو ابن ابی شیبہ نے بسند خود محمد بن نعمان بن بشیر سے روایت کی ہے کہ ان کے والد نعمان نے ان کو ایک غلام عطا کیا اور آنحضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو اس پر گواہ بنانے کی استدعا کی۔ سرکارِ دو عالم نے فرمایا ؛ کیا آپ نے اپنے ہر بیٹے کو ایک ایک غلام ہدیہ کیا ہے ؟ نعمان نے نفی میں جواب دیا۔ آپ نے فرمایا تو پھر یہ بھی واپس لے لو۔ ابن ابی شیبہ نے اس حدیث کو دو مختلف سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے اور ان کے الفاظ بھی ایک جیسے نہیں۔ آخر میں فرماتے ہیں "امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں"

علامہ کوثری اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں :

"نعمان بن بشیر کی روایت کردہ حدیث کے الفاظ باہم دیگر اس قدر مختلف ہیں کہ فقہاء کے لیے اس میں اجتہاد کی گنجائش نکل آتی ہے۔ چنانچہ جمہور فقہاء کا زاویہ نگاہ یہ ہے کہ اولاد کو عطیہ میں مساوی رکھنے کا حکم بنا بر استحباب ہے فرض واجب کے

درجہ میں نہیں۔ امام مالک شافعی لیث ثوری، ابو حنیفہ کا مسلک یہی ہے۔ ان کے نزدیک عطیہ دینے میں سب اولاد کی مساوات ضروری نہیں۔ البتہ بعض اس کو ناپسند کرتے ہیں۔ مساوات سب کے نزدیک ایک پسندیدہ امر ہے۔ بعض علماء حدیث کے ظاہر الفاظ کے پیش نظر مساوات کو واجب قرار دیتے ہیں، عبداللہ بن مبارک، امام احمد اور ظاہریہ اسی کے قائل ہیں۔ پہلے اسحاق بھی ان کے ہم خیال تھے پھر جمہور کے ہمنوا بن گئے۔ علماء کا اس بات پر اجماع کہ ایک شخص اپنا مال اجنبی کو دے سکتا ہے جمہور کی رائے کا مؤید ہے۔ جب نص میں احتمال پیدا ہو جائے تو وہ نص ہی نہیں۔ اس لیے یہ قول بے معنی ہے کہ "موردِ اجتہاد میں قیاس کا کوئی امکان نہیں ہوتا"۔

محدث بیہقی نے اس بات کی تائید میں دس وجوہ بیان کیے ہیں کہ مساوات کا حکم استحباب پر مبنی ہے۔ اگرچہ بعض وجوہ دیگر علماء کے نزدیک مخدوش ہیں۔

مذکورہ صدر حدیث میں مساوات کے وجوب و ندب کے سلسلہ میں فقہاء کے مابین جو اختلاف رونما ہوا ہے، اس کی بڑی وجہ اس کے الفاظ کا فرق و اختلاف ہے۔ اس کے بعض الفاظ سے ندب و استحباب کا اثبات ہوتا ہے اور بعض الفاظ وجوب پر دلالت کرتے ہیں۔ قاضی عیاض مالکی فرماتے ہیں:

"اس ضمن میں وارد شدہ احادیث میں جمع و تطبیق کی کوشش کرنا اس بات سے زیادہ موزوں ہے کہ کسی روایت کو بالکل ہی رد کر دیا جائے یا اسے مضطرب کہا جائے تطبیق کی صورت یہ ہے کہ جملہ روایات کو استحباب پر محمول کیا جائے"۔

قاضی صاحب نے اپنی شرح صحیح مسلم میں ان احادیث کو استحباب پر محمول کرنے کی وجہ بھی بیان کی ہے۔

موضوع زیر قلم کے سلسلہ میں ہم مزید کسی تفصیل کی حاجت نہیں سمجھتے۔ اس لیے کہ اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ منفرد نہیں ہیں بلکہ جمہور فقہاء آپ کے ہمنوا ہیں۔ امام شافعی نے تصریح کی ہے، کہ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کو اور حضرت عمرؓ نے عاصم کو عطیہ جات کے سلسلہ میں دیگر اولاد پر ترجیح دی تھی۔ دیگر صحابہ سے بھی یہ فعل ثابت ہے۔ ان کا یہ اقدام اس بات کا بین ثبوت ہے کہ

Marfat.com

مسادات کا حکم استحباب پر محمول ہے۔ (النکت الطریفہ، ص ۲۱-۲۲)

محدث ابن ابی شیبہ نے امام ابو حنیفہ کو جن ایک سو پچیس ۱۲۵ اعتراضات کا نشانہ بنایا اور یہ ثابت کرنا چاہا تھا کہ ان مسائل میں امام نے حدیث نبوی کو ترک کر دیا ہے یہ ان میں سے ایک مثال ہے۔ ہمارے جواب سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی کہ جناب امام نے رائے کو ترجیح دے کر حدیث کو ترک نہیں کیا بلکہ اپنے اجتہاد پر اعتماد کیا تھا۔ اس ضمن میں آپ کو اسی طرح معذور قرار دینا چاہیے جس طرح پر مجتہد کو اس کے اجتہاد کے بارے میں۔

یہ امر بھی نظر انداز نہ کیا جائے کہ بقول محدث ابن ابی شیبہ امام ابو حنیفہ نے جن مسائل میں اپنے اجتہاد کی اساس پر حدیث کی مخالفت کی تھی اس میں وہ منفرد نہیں ہیں بلکہ جمہور ائمہ میں سے کسی ایک یا زیادہ اماموں نے آپ کی حمایت کی ہے۔

امام ابو حنیفہ کا علمی حلقہ :

اجتہادِ مسائل کے ضمن میں امام ابو حنیفہ کا اپنے تلامذہ کے ساتھ جو طرز و انداز تھا۔ جو شخص اس سے آگاہ ہے وہ یقین رکھتا ہے کہ آپ جیسے شخص کی طرف ایسی باتوں کی نسبت کسی طرح درست نہیں۔

مغیرہ بن حمزہ کا قول ہے کہ امام ابو حنیفہ کے جن تلامذہ نے آپ کے ساتھ مل کر کتبِ فقہ مرتب کی تھیں وہ چالیس آدمی تھے، اور وہ سب عظیم انسان تھے۔

اسد بن فرات کہتے ہیں کہ ان چالیس ۴۰ اشخاص میں سے دس آدمی اخص الخواص تھے۔ ان دس میں قاضی ابو یوسف زفر داؤد طائی، اسد بن عمرو، یوسف بن خالد اور یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ جیسے فضلاء شامل تھے۔ یحییٰ تیس ۳۰ سال تک یہ مسائل لکھتے رہے۔ اسد بن فرات کا بیان ہے کہ امام ابو حنیفہ سے کسی سوال کا جواب طلب کیا جاتا تو مختلف تلامذہ اس کا جواب دیتے پھر آپ سے دریافت کیا جاتا تو آپ برجستہ فتویٰ دیتے۔ تین روز تک اس مسئلہ پر بحث جاری رہتی۔ پھر اس کو رجسٹر میں قلمبند کر لیا جاتا۔

اسحاق بن ابراہیم کا بیان ہے کہ اصحابِ ابی حنیفہ آپ کے ساتھ مل کر زیر بحث مسئلہ پر غور کرتے۔ اگر عافیہ بن یزید موجود نہ ہوتے تو امام صاحب فرماتے جب تک عافیہ آ نہ جائیں نقد و

Marfat.com

بحث کو جاری رکھیے۔ جب عافیہ آتے اور ان کے ہم خیال ہوتے تو ابو حنیفہ فرماتے اس مسئلہ کو درج کر لو۔ اور اگر متفق نہ ہوتے تو فرماتے اس مسئلہ کو تحریر نہ کیجیے۔

یحییٰ بن نعیم معرفۃ التاریخ والعلل میں فضل بن دُکین سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے زُفر سے سُنا وہ کہتے تھے ہم امام ابو حنیفہ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ ہمارے ہمراہ قاضی ابو یوسف اور محمد بن حسن بھی ہوتے تھے۔ ہم ان سے مسائل سن کر لکھ لیا کرتے تھے۔ زُفر کا بیان ہے کہ ایک دن امام ابو حنیفہ نے ابو یوسف سے کہا یعقوب! جو بات تم مجھ سے سنتے ہو وہ لکھ نہ لیا کرو آج میری ایک رائے ہوتی ہے اور کل میں اسے ترک کر دیتا ہوں۔ اور کل ایک رائے قائم کرتا ہوں اور پرسوں اس سے رجوع کر لیتا ہوں۔

مذکورہ صدر بیان سے امام ابو حنیفہ کے سیرت نویس الموفق مکی کے قول کی تائید ہوتی ہے کہ آپ نے اپنے فقہی مسلک کی بناء شوریٰ پر رکھی تھی اور لوگوں پر اپنی رائے ٹھونسنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ تاکہ دین اسلام کی بنیاد اللہ و رسول کے ساتھ اخلاص اور اہل ایمان کے ساتھ ہمدردی و تعاون پر رکھی جائے۔ (حسن التقاضی، ص ۱۲)

اس سے خطیب بغدادی کے بیان کا اعجوبہ پن بھی عیاں ہوتا ہے۔ خطیب نے ابن کرامہ سے نقل کیا ہے کہ ہم ایک روز وکیع کے پاس بیٹھے تھے۔ ایک آدمی نے کہا "ابو حنیفہ سے غلطی سرزد ہوئی" وکیع نے کہا "ابو حنیفہ کیوں کر غلطی کر سکتے ہیں؟ ان کے ساتھ ابو یوسف اور زُفر جیسے ماہر قیاس و اجتہاد یحییٰ ابن ابی زائدہ حفص بن غیاث حبّان اور مندل جیسے حفّاظ حدیث تام ابن معین جیسے لغوی و ادیب اور داؤد طائی و فضیل جیسے اصحاب زہد و ورع موجود ہیں جس کے ہم نشین اس قسم کے اربابِ کمال ہوں اس سے غلطی سرزد نہیں ہو سکتی۔ اور اگر بفرضِ محال غلطی ہو بھی جائے تو وہ اس کی تردید کر دیں گے۔ (تاریخ بغداد، ج ۱۴-ص ۴۷)

ہم اس ضمن میں وکیع کے ہمنوا نہیں ہیں کہ ابو حنیفہ سے غلطی کا صدور محال ہے۔ البتہ ہم اس بات میں ان کے ساتھ متفق ہیں کہ اس قسم کے ارباب دانش و بصیرت جس شخص کے مشیر ہوں جو شخص عہدِ صحابہ سے چنداں دور نہ ہو۔ جو شخص روشن دماغ اور خدا کے دین میں حد درجہ کوشاں ہو۔ یہ بات بعید از قیاس ہے کہ اس کے خلاف بلا وجہ حملہ کا آغاز کیا جائے جیسا کہ اس دور میں ہوا

Marfat.com

اقران وامائل رشک کرنے لگے۔ راویوں نے جہالت کا ثبوت دیا اور ظن وتخمین سے کام لینے والوں نے اس پر اور بھی ستم ڈھایا۔ پھر یہ فتنہ بڑھتا ہی گیا یہاں تک کہ فتنہ خلقِ قرآن کے ختم ہونے کے بعد اپنی انتہاء کو پہنچ گیا۔

ہُوا یوں کہ اکثر محدثین نے ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کو تنقید شدید کا نشانہ بنایا۔ معتزلہ نے محدثین پر جو مظالم ڈھائے تھے اس کا انتقام انہوں نے ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب سے لیا اور نقد وجرح کے تیروں سے ان کو گھائل کر دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جمہور معتزلہ فروعی مسائل میں فقہ حنفی کے پیرو تھے۔ یہ ہیں ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب پر قدیم وجدید حملہ کے اسباب ووجوہ!

خطیب بغدادی فرماتے ہیں:

"امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب میں سے ابویوسف محمد بن حسن زفر اور کسی اور نے بھی خلقِ قرآن کے بارے میں گفتگو نہیں کی تھی۔ خلقِ قرآن کے بارے میں گفتگو کرنے والے بشر مریسی اور ابن ابی داؤد وغیرہ تھے اور انہوں نے ہی اصحابِ ابی حنیفہ کو بدنام کیا۔" (تاریخ بغداد، ج ۱۳۔ ص ۳۳۷)

انصاف کی بات:

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے جو بات اپنی کتاب "جامع بیان العلم" میں تحریر کی ہے وہ مجھے بہت پسند ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"اصحاب الحدیث نے امام ابوحنیفہ کی مذمت میں مبالغہ آمیزی سے کام لیا اور اس ضمن میں حد سے تجاوز کر گئے۔ ان کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ رائے وقیاس کو دلائل وآثار کے مقابلہ میں ترجیح دیتے تھے۔ حالانکہ اکثر اہل علم کہتے ہیں جب اثر صحیح موجود ہو تو قیاس باطل ٹھہرتا ہے" آپ تاویل کی بناء پر اخبار آحاد کو رد کر دیا کرتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ آپ کے بعض پیش رو بھی ایسا کر چکے تھے اور دیگر اہل الرائے بھی آپ کے نقش قدم پر گام زن ہوئے۔ آپ نے زیادہ تر یہ اقدام اپنے اہل شہر کی پیروی میں کیا۔ مثلاً ابراہیم نخعی اور اصحاب ابن مسعود اسی ڈگر پر گامزن تھے۔ مگر آپ اور آپ کے اصحاب نے مفروضہ حوادث ونوازل کے گھڑنے اور ان کا

Marfat.com

جواب دینے میں اغراق و مبالغہ سے کام لیا۔ نتیجہ کے طور پر اس میں اختلاف رونما ہوا اور ان کے مخالفین نے اس کو بدعت قرار دیا۔

میرے علم کی حد تک اہل علم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس نے کسی آیت کی خاص تاویل یا حدیث نبوی میں کسی خاص مسلک مذہب کے پیش نظر کسی اور سنت کو بنا بر تاویل یا ادعاء نسخ رد نہ کر دیا ہو۔ صرف اتنا فرق ہے کہ دوسروں کے یہاں یہ بات کم ہے اور . . . . . امام ابو حنیفہ کے یہاں زیادہ۔ ابن عبدالبر نے بتایا ہے کہ بقول لیث امام مالک نے بھی بہت سی احادیث کی خلاف ورزی کی تھی۔ علمائے امت میں سے کسی کا یہ حق نہیں ہے کہ جب اس کے نزدیک کوئی حدیث ثابت ہو جائے تو وہ اسے رد کر دے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ وہ اس کے منسوخ ہونا کا دعویٰ کرے۔ یا اس کی سند کو مخدوش قرار دے یا ایسے عمل کی وجہ سے اس کو رد کر دے جس کی اطاعت ضروری ہو۔

جو شخص بلا دلیل کسی حدیث کو رد کر دے وہ ساقط العدالت ہو جاتا ہے۔

اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ ایسے شخص کو امامت کے منصب پر سرفراز کیا جائے۔ ایسا شخص لازماً فاسق ٹھہرے گا۔ امام ابو حنیفہ کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ فرقہ مرجیہ میں سے تھے۔"

(جامع بیان العلم، ج ۲۔ ص ۱۴۸)

میں کہتا ہوں آپ کا مرجیہ ہونا اتباع سنت کے عین مطابق ہے۔ بہت سے اہل علم مرجیہ کہلاتے تھے۔ مگر کسی کی مذمت اس طرح نہیں کی گئی جس طرح آپ کی۔ اس کی وجہ صرف آپ کی امامت تھی۔ اسی کے پیش نظر آپ کو حاسدانہ نگاہوں سے دیکھا جاتا اور وہ باتیں آپ کی جانب منسوب کی جاتی تھیں۔ علماء کی ایک جماعت نے آپ پر مدح و ستائش کے پھول نچھاور کیے ہیں۔

ابن عبدالبر امام ابو حنیفہ کے بارے میں علماء کی تعریف و توصیف ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"گزشتہ زمانہ میں اس بات کو کسی شخص کی شرف و عظمت کی دلیل سمجھا جاتا تھا کہ لوگ اس کے متعلق مختلف نظریات رکھتے ہوں۔ مثلاً حضرت علی کے بارے میں

Marfat.com

کہا گیا ہے کہ ان کی وجہ سے دو شخص ہلاکت و بربادی سے ہمکنار ہوں گے۔

(۱) حد سے زیادہ محبت کرنے والا۔

(۲) مبالغہ کی حد تک نفرت کرنے والا۔

حدیث میں آیا ہے کہ دو شخص ان کی وجہ سے تباہ ہوں گے۔

(۱) تعریف میں مبالغہ کرنے والا۔

(۲) بغض و عداوت میں حد سے تجاوز کرنے والا۔

بلند پایہ لوگوں کی یہی خصوصیت ہے، جو شخص بھی دین یا دنیا میں امتیازی مقام حاصل کرتا ہے، وہ اسی مرحلہ سے گزرتا ہے۔"

۲۔ امام مالکؒ

۹۳ ـــــــــــ ۱۷۹ھ

آپ کا نام نامی و اسم گرامی مالک بن انس اصبحی اور کنیت ابو عبداللہ ہے۔ آپ مدینہ منورہ کے امام و محدث تھے ۹۳ھ مدینہ میں پیدا ہوئے۔ ابن الشیبانی نے تیسیر الوصول کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے کہ آپ کی ولادت ۹۳ھ میں ہوئی۔ مدینہ ہی میں پروان چڑھے اور ۱۷۹ھ میں بعمر ۸۶ سال خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

اخذ و استفادہ :

آپ نے ربیعہ الرائی اور تابعین کے فقہائے کبار سے کسبِ فیض کیا۔ مقابلتہً زہری سے زیادہ مستفید ہوئے۔ امام مالک کا شمار زہری کے ارشد و اشہر تلامذہ میں ہوتا ہے۔ نافع مولیٰ ابن عمر سے بھی آپ نے بہت فائدہ اٹھایا حتیٰ کہ محدثین نافع سے آپ کی روایت کو "سلسلۃ الذہب" (سونے کی زنجیر) کہتے ہیں۔ یہ سند یوں ہے :

"مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ"

آپ طلب علم کی راہ پر رواں دواں رہے یہاں تک کہ امام حجاز کہلائے اور آپ کو علی الاطلاق "عالم المدینہ و امام دار الہجرۃ" کے القاب سے پکارا جانے لگا۔ آپ کا شہرہ دُور دُور تک پہنچ گیا اور اکنافِ ارضی کے طالبانِ علم پروانوں کی طرح اس شمع علم کے گرد منڈلانے لگے۔ آپ مسجد نبوی میں تدریس حدیث کے لیے باوقار مجلس منعقد کرتے خوشبو لگاتے عمدہ لباس پہنتے اور پھر حدیث پڑھاتے تھے۔ رسول کریمؐ کے ادب و احترام کے پیش نظر مسجد نبوی میں بلند آواز سے بولتے نہیں تھے۔

امام مالک حدیث و فقہ دونوں میں یکساں مہارت رکھتے تھے۔ ابو حنیفہ کی طرح آپ بھی حدیث مرسل سے احتجاج کرتے تھے۔ آپ نے متعدد مراسیل مؤطا میں شامل کی ہیں۔ آپ کے اصول مذہب وہی تھے جو دوسرے ائمہ کے یہاں معتبر ہیں یعنی کتابؐ۔ سنتؐ۔ اجماعؐ۔ قیاسؐ۔

آپ نے ان پر دو کا اضافہ کیا۔ (۱) تعامل اہل مدینہ (۲) مصالح مرسلہ۔

اکثر ائمہ مصالح مرسلہ کے قائل ہیں۔ باقی رہا اہل مدینہ کا تعامل تو اس سے صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل یا حالت کا پتہ چلتا ہے۔ اہل مدینہ کے عمل کو حجت اس وقت قرار دیا جائے گا جب اس پر ان کا اجماع منعقد ہو چکا ہو، اور ہر دور میں مدینہ کے رہنے والے اس پر عامل رہے ہوں۔ یہاں تک کہ یہ تسلسل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جائے۔ امام مالک فرماتے ہیں، اہل مدینہ کسی کام کا التزام اسی وقت کرتے ہیں جب وہ ایک شرعی امر ہو۔ عہد رسالت میں صحابہ اس پر عمل پیرا رہے ہوں اور آپ نے ان کی تائید فرمائی ہو۔ پھر بعد میں آنے والے اسی پر عامل رہے اور نسلاً بعد نسل اس کی پیروی کرتے رہے۔

امام مالک کی رائے میں اہل مدینہ کا تعامل خبر واحد سے قوی تر ہے۔ جب خبر واحد اور اہل مدینہ کا عمل باہم متعارض ہوں تو ان کے نزدیک مؤخر الذکر کو ترجیح دی جائے گی۔ نظر بریں لیث بن سعد نے امام مالک پر گرفت کی ہے کہ ستر احادیث ایسی ہیں جن کو انہوں نے موطا میں درج کیا ہے مگر ان سے احتجاج نہیں کیا۔ دیگر ائمہ و علماء نے ترک اخذ و احتجاج کے سلسلہ میں امام مالک کے ساتھ اتفاق نہیں کیا۔ امام شافعی نے بھی اس ضمن میں ان سے اختلاف کیا ہے۔

ازاں بعد امام مالک پر جرح و قدح کا سلسلہ جاری رہا۔ اہل مدینہ کے تعامل کو حجت قرار دینے کے سلسلہ میں جن لوگوں نے مخالفت کی اس میں امام ابن حزم کا نام پیش پیش ہے۔ ابن حزم نے اپنی کتاب "الاحکام فی اصول الاحکام" میں امام مالک پر شدید نکتہ چینی کی۔ اسی طرح اپنی کتاب "المحلّٰی" کے بیشتر مباحث میں ان پر لے دے کی ہے۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ علمی مباحث کے سلسلہ میں مخالفین پر ابن حزم کی گرفت بڑی سخت ہوا کرتی ہے۔

(الاحکام، ج ۲۔ ص ۹۷ - ۱۲۰)

امام مالک کا فقہی مسلک بلاد اسلامی میں خوب پھیلا۔ دیار مغرب اور مصر میں مقابلتہً اس کی زیادہ اشاعت ہوئی۔

مؤطا مالک کا مقام مشمولہ احادیث و شروح:

جو بات امام مالک کی شہرت کی باعث بنی غالباً وہ آپ کی مشہور کتاب "مؤطا" تھی اس کتاب کو

Marfat.com

آپ نے خلیفہ منصور کے ایماء پر مرتب کیا۔ جب منصور حج کے لیے گیا تو امام مالک سے ایک ایسی جامع کتاب مدوّن کرنے کی فرمائش کی جس میں نہ تو حضرت ابن عمر کی سی سختی پائی جائے اور نہ ابن عباس کی روائتی رخصتیں۔ گویا آپ اسے لوگوں کے لیے ایک پامال شاہراہ کی طرح بنا دیں جس پر لوگ گامزن رہیں۔ چنانچہ آپ نے یہ کتاب ترتیب دی اور اس کا نام "مؤطا" (پامال شدہ راہ) رکھا۔

جلال الدین سیوطی نے موطا کی ایک اور وجہ تسمیہ بیان کی ہے۔ امام مالک روایت کرتے ہیں کہ میں نے یہ کتاب ستر فقہائے مدینہ کے سامنے پیش کی اور سب نے میری تائید کی۔ چنانچہ میں نے اس کا نام "مؤطا" (تائید کردہ شدہ) رکھا۔ پھر خلیفہ مہدی حج کرنے گیا تو اس نے مؤطا آپ سے سُنی۔ مہدی نے امام مالک کو پانچ ہزار اور ان کے تلامذہ کو دس ہزار دینار عطا کیے بعد ازاں خلیفہ ہارون الرشید بچوں سمیت حج کرنے گیا تو اس نے آپ سے مؤطا سُنی۔ ہارون نے اس ارادہ کا اظہار کیا کہ موطا کو خانہ کعبہ سے آویزاں کیا جائے اور لوگوں کو اس کے مندرجات پر عامل ہونے پر مجبور کیا جائے۔ یہ سن کر امام مالک نے فرمایا:

"امیر المومنین! ایسا نہ کیجیے۔ رسول کریم کے صحابہ فروعِ دین میں مختلف نظریات رکھتے تھے اور الگ الگ دیار و امصار میں بس گئے تھے۔ اپنی جگہ سب حق پر تھے۔"

یہ سن کر خلیفہ اس ارادہ سے باز رہا۔ (ابو نعیم فی الحلیۃ)

خداوند کریم نے امام مالک کو حسنِ قبول سے نوازا تھا۔ لوگ درس و سماع کے لیے آپ کے یہاں حاضری دیتے تھے۔ جن مشہور ائمہ نے آپ سے مؤطا کا سماع کیا ان میں امام اوزاعی شافعی اور محمد بن حسن جیسے اکابر کے اسماء شامل ہیں۔ محمد بن حسن شیبانی نے اپنی روایت کے ساتھ مؤطا کا جو نسخہ نقل کیا ہے وہ معتبر اور مشہور تر نسخہ ہے۔

مؤطا کی ترتیب و تدوین انجام دیتے ہوئے احادیث کی چھان پھٹک کے سلسلہ میں امام مالک نے محنتِ شاقہ اٹھائی۔ کہا گیا ہے کہ آپ چالیس سال تک اس کی ترتیب و تہذیب میں لگے رہے۔ سیوطی نے شرح مؤطا کے مقدمہ میں اوزاعی سے روایت کیا ہے کہ:-

"ہم نے چالیس دنوں میں امام مالک کو مؤطا سنائی تو آپ نے فرمایا، میں نے جو کتاب چالیس سالوں میں مرتب کی تھی وہ تم نے چالیس دنوں میں پڑھ لی۔ تم نے سمجھا

Marfat.com

کیا ہوگا ؟"

امام مالک نے مؤطا کو مختلف ابواب میں منقسم کیا ہے۔ ہر باب میں آنحضورؐ سے مروی احادیث کے علاوہ صحابہ و تابعین کے اقوال و آثار بھی نقل کیے ہیں۔ یہ سب اکابر مدینہ میں بود و باش رکھتے تھے۔ اس لیے کہ جنابِ امام مدینہ سے باہر طلبِ علم کے لیے کہیں گئے ہی نہیں۔ بعض اوقات الفاظ حدیث کی تشریح کر کے اس کا مطلب واضح کرتے ہیں۔ جس باب میں ایسی اخبار آحاد وارد ہوں جو اہل مدینہ کے تعامل کے خلاف ہوں وہاں اہل مدینہ کے عمل پر روشنی ڈالتے ہیں۔

مؤطا کا مرتبہ و مقام :

باقی رہی یہ بات کہ کتب حدیث میں مؤطا کو کیا درجہ حاصل ہے تو اس کے بارے میں علماء کے نظریات مختلف ہیں۔

(۱) علماء کی ایک جماعت یہ رائے رکھتی ہے کہ مؤطا صحیحین سے بھی مقدم ہے۔ اس لیے کہ امام مالک کو بھی آئمہ حدیث میں یہی درجہ حاصل ہے۔ علاوہ ازیں نقد و جرح کے اعتبار سے بھی آپ کا مقام بہت بلند ہے۔ اس کے ثبوت کے لیے یہی بات کافی ہے کہ آپ نے چالیس ۴۰ سال میں مؤطا کو مرتب کیا۔ ابن العربی مالکی نے یہی نظریہ اختیار کیا اور مخالفین کا دفاع کیا ہے۔ جمہور مالکیہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

(۲) بعض علماء مؤطا کو صحیحین کی ہم پلہ قرار دیتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ دہلوی نے حجۃ اللہ البالغہ میں یہی نقطۂ نظر اختیار کیا ہے۔ آپ نے کتاب مذکور میں کتب حدیث کو مختلف طبقات میں تقسیم کیا اور مؤطا و صحیحین کو طبقۂ اولیٰ میں رکھا ہے۔

(۳) جمہور محدثین کے نزدیک مؤطا کا درجہ صحیحین سے فروتر ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"مؤطا امام مالک اور ان کے مقلدین کے نزدیک صحیح تصور کی جاتی ہے۔ اس لیے کہ آپ مرسل و منقطع روایات سے احتجاج کرنے کے قائل تھے۔"

آپ جان چکے ہیں کہ محدثین مرسل و منقطع روایات سے استدلال نہیں کرتے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ مؤطا کا مرتبہ ان کے نزدیک صحیحین سے فروتر ہوگا۔

Marfat.com

سابق الذکر ہر دو اقوال کے قائلین نے مؤطا میں مرسل و منقطع احادیث کے پائے جانے کا جواب یہ دیا ہے کہ دیگر طُرق کے لحاظ سے یہ احادیث متصل السند ہیں۔ اس لیے ان کی صحت شک و شبہ سے بالا ہے۔ حافظ ابن عبدالبرؒ نے مؤطا کی تمام مرسل منقطع اور منفصل روایات کو دیگر طُرق سے موصولاً روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"امام مالک نے مؤطا میں جہاں جہاں "بَلغنی" یا "عن الثقة" کے الفاظ استعمال کیے ہیں اور احادیث کو موصولاً و مسنداً ذکر نہیں کیا ایسی کل اکسٹھ احادیث ہیں۔ یہ جملہ روایات امام مالک کی سند کے علاوہ دیگر طُرق کے اعتبار سے موصول ہیں اور ان میں کوئی ارسال یا انقطاع موجود نہیں۔ البتہ چار روایات موصول نہیں ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) اِنِّیْ لَا انسٰی وَلٰکِنْ انسٰی الخ

(۲) وہ حدیث جس میں مذکور ہے کہ آپ نے اپنی امت کی عمر کو چھوٹا خیال کیا۔

(۳) حضرت معاذؓ کو رسول کریمؐ کی وصیت۔

(۴) اذا نشأت بحرية الخ

علماء نے مذکورہ صدر احادیث کی حمایت و دفاع کرتے ہوئے کہا ہے کہ ان کا مطلب صحیح ہے اور دیگر احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ مگر شیخ شنقیطی نے اپنی کتاب "اضاءۃ الحالک" میں ابن الصلاح سے نقل کیا ہے کہ موصوف نے ان احادیث کو موصولاً روایت کیا ہے۔ امام سیوطی لکھتے ہیں:

"مؤطا میں مندرجہ احادیث بلا استثناء صحیح ہیں۔ اس لیے کہ امام مالک اور بعض محدثین مراسیل سے بلا شرط احتجاج کرتے ہیں۔ دیگر یہ کہ مؤطا میں جو مراسیل موجود ہیں وہ ہمارے نزدیک بھی لائق احتجاج ہیں۔ اس لیے کہ جب حدیث مرسل کی تائید کسی اور سند سے ہو جائے تو ہم اس سے احتجاج کرتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ مؤطا میں جو مرسل روایات پائی جاتی ہیں ان کی موید احادیث موجود ہیں"

(شرح مؤطا سیوطی ص ۸)

امام ابن حزم کا دعویٰ ہے کہ مؤطا میں بعض ایسی احادیث بھی موجود ہیں جن کی علماء نے تضعیف

کی ہے۔ مگر مولانا عبدالحی لکھنوی نے اس پر یہ گرفت کی ہے کہ موطا میں مشمولہ احادیث ساقط الاعتبار اور موضوع نہیں ہیں۔ باقی رہا ابن حزم کا یہ کہنا کہ علماء نے مؤطا میں شامل بعض احادیث کو ضعیف کہا ہے تو اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ جس سند کے ساتھ وہ حدیثیں ان تک پہنچی ہوں وہ ناقابل اعتماد ہو۔ البتہ امام مالک کو جس سند کے ساتھ موصول ہوئیں۔ اس کی صحت شک و شبہ سے بالا ہے۔ ظاہر ہے کہ امام مالک اپنے شیوخ و اساتذہ کو بہتر طور پر جانتے تھے اس لیے ان کے بارے میں جنابِ امام کی رائے ہی صائب ہو سکتی ہے۔

مؤطا امام مالک تیس۳۰ مختلف طُرق سے روایت کی گئی ہے۔ مشہور ترین نسخے حسب ذیل ہیں:

(۱) بروایت یحییٰ بن یحییٰ۔
(۲) مؤطا ابن بُکیر۔
(۳) مؤطا ابی مُصعَب۔
(۴) مؤطا ابن وہب۔
(۵) مؤطا محمد بن حسن شیبانی۔

مذکورہ صدر نسخوں میں تقدیم و تاخیر اور نقص و زیادت کا فرق پایا جاتا ہے۔ فرق و اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ مؤطا کی روایت آپ سے مختلف اوقات میں کی گئی۔ ظاہر ہے کہ آپ مؤطا کے مسودہ میں حسبِ رائے کمی بیشی کرتے رہتے تھے۔ متداول نسخوں کے فرق و اختلاف کی بناء پر مؤطا کی مشمولہ احادیث کی تعداد میں بھی فرق پایا جاتا ہے۔

چنانچہ ابوبکر اَبہری فرماتے ہیں:

"مؤطا میں جو احادیث نبویہ و اقوال صحابہ و تابعین پائے جاتے ہیں، ان کی کل تعداد ایک ہزار سات سو بیس۱۷۲۰ ہے۔ ان میں سے چھ سو۶۰۰ مرفوع احادیث دو سو بائیس۲۲۲ مُرسل چھ سو تیرہ۶۱۳ موقوف روایات اور دو سو پچاسی۲۸۵ اقوال تابعین ہیں۔"

مُؤطا محمد:

مؤطا کا مشہور ترین نسخہ وہ ہے جو محمد بن حسن شیبانی نے امام مالک سے روایت کیا۔ یہ حرمین شریفین اور ارض ہند و پاک میں نہایت مشہور ہے۔ اس میں شامل احادیث مرفوعہ اور اقوال صحابہ و تابعین کی تعداد ایک ہزار ایک سو اسی۱۱۸۰ ہے۔ اس میں مرفوع مرسل اور منقطع ہر قسم کی روایات موجود ہیں۔ ان میں امام مالک سے ایک ہزار پانچ۱۰۰۵ امام ابوحنیفہ سے تیرہ۱۳ ابو یوسف

سے چار اور باقی دیگر ائمہ سے مروی ہیں۔

محدثین کرام شروع ہی سے مؤطا کی شرح و تخریج میں مشغول رہے ہیں۔ مشہور ترین شروح حسب ذیل ہیں:

حافظ ابن عبدالبر متوفی ۴۶۳ھ نے مؤطا کی دو شرحیں تحریر کیں۔

(۱) ایک شرح کا نام "التمہید لما فی المؤطا من المعانی والاسانید" ہے۔ اس میں حروفِ تہجی کی ترتیب سے امام مالک کے شیوخ و اساتذہ کے اسماء مرتب کیے ہیں۔ ابن حزم نے اس شرح کے بارے میں لکھا ہے:

"فقہ الحدیث کے موضوع پر اس جیسی کتاب مرتب نہیں کی گئی۔ اس سے عمدہ تر کتاب کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"

(۲) دوسری شرح کا نام "الاستذکار فی شرح مذاہب علماء الامصار" ہے

(۳) مؤطا کی ایک شرح حافظ ابوبکر محمد بن العربی متوفی ۵۴۶ھ نے مرتب کی ہے۔

(۴) شرح جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ۔

(۵) شرح زرقانی مصری متوفی ۱۱۲۲ھ۔

(۶) شرح شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ۱۱۷۶ھ۔

(۷) شرح شیخ علی قاری مکی متوفی ۱۱۲۲ھ۔

(۸) التعلیق الممجد علی مؤطا امام محمد از مولانا عبدالحی لکھنوی۔

مندرجہ ذیل علماء نے مؤطا کا خلاصہ تحریر کیا:

(۱) ابوسلیمان خطابی (۳۸۸ھ)

(۲) ابن عبدالبر (۴۶۳ھ)

(۳) ابن رشیق قیروانی (۴۵۶ھ)

اسی طرح مؤطا کے غریب الفاظ کی شرح اس کے شواہد و رجال اور اختلاف کے بارے میں متعدد کتب تصنیف کی گئیں۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ علماء نے اس عظیم الشان کتاب کو بے حد قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا۔

کیا مؤطا حدیث کی کتاب ہے یا فقہ کی؟

امام مالک نے جب سے مؤطا مرتب کی اس دور سے لے کر ہمارے عصر و عہد تک اس بات میں کبھی اختلاف پیدا نہیں ہوا کہ مؤطا حدیث کی اولین کتاب ہے جو دوسری صدی ہجری کے علمائے سلف کی تصانیف میں سے ہم تک پہنچی۔ آپ دیکھ چکے ہیں کہ علماء نے اس کتاب کے ساتھ بیحد اعتناء کیا ہے۔ جب علماء کتب حدیث کا ذکر کرتے ہیں تو مؤطا کا ذکر ضرور کرتے ہیں اور اس کے مرتبہ و مقام کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔

یہاں تک کہ وہ زمانہ آیا جب مستشرقین نے ہماری تاریخ ہمارے علماء اور صحابۂ رسول کے بارے میں زبان درازی سے کام لینے کا آغاز کیا۔ جیسا کہ آپ حدیث کی بحث میں دیکھ چکے ہیں۔ اس وقت ہم نے دیکھا کہ اپنے آپ کو مسلم کہنے والے برملا کہہ رہے ہیں کہ مؤطا فقہ کی کتاب ہے حدیث کی نہیں چنانچہ مشہور منکر حدیث ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر نے اپنی کتاب "نظرۃ عامۃ فی تاریخ الفقہ الاسلامی" میں یہی بات تحریر کی ہے۔

مؤطا کے کتابِ فقہ ہونے کی دلیل:

ڈاکٹر علی حسن اپنی مذکورہ صدر کتاب کے صفحہ ۲۴۴ - ۲۵۲ پر لکھتے ہیں:-

"اگر ہم زید کے مجموعہ کو نظر انداز کر دیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ مؤطا فقہ کی پہلی کتاب ہے جو ہم تک پہنچی۔ امام مالک کی عظمت و جلالت کے علی الرغم مؤطا کو حدیث کی اولین عظیم کتاب قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس لیے کہ اصالۃً مؤطا کتبِ حدیث میں شامل ہی نہیں یہی وجہ ہے کہ صحاح ستہ میں اس کو شمار نہیں کیا گیا۔ صرف اندلس کے رہنے والے اس کو کتبِ حدیث میں شامل کرتے ہیں مگر متاخرین گاہے موطا کو کتبِ صحاح میں شمار کرتے ہیں۔

صحیح معنی میں مؤطا حدیث کی کتاب نہیں۔ امام مالک کا مقصد صرف یہی نہیں ہے کہ اس میں احادیث صحیحہ کو جمع کر دیا جائے۔ بخلاف ازیں وہ اہل مدینہ کے اجماع کے پیش نظر فقہ و قانون اخلاق و عادات اور ان کا تعامل غرض جملہ امور ذکر کرتے ہیں۔ امام مالک مسئلہ زیر بحث میں معتبر ائمہ کے فتاویٰ بھی ذکر کرتے ہیں

اگر آپ محدّث ہوتے تو فتویٰ کے بجائے حدیث نقل کرتے۔ پھر طویل بحث وتمحیص کے بعد لکھتے ہیں" ہم انہی وجوہ واسباب کی بناء پر کہتے ہیں کہ امام مالک صرف احادیث کے جمع کرنے والے ہی نہ تھے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر عملی پہلو سے احادیث کی شرح وتفصیل پیش کرنے والے تھے"

ڈاکٹر موصوف امام مالک کے گاہے رائے وقیاس سے استفادہ کا ذکر کرکے کہتے ہیں:

"نظر بریں ہم کہتے ہیں کہ امام مالک محدّث نہ تھے، اور حدیث آپ کے نزدیک تنہا موجب اعتماد نہ تھی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ اہل مدینہ کے عمل کو بھی حجت قرار دیتے ہیں اگرچہ آپ حقیقی محدّث نہ تھے تاہم آپ نے محدثین کو بے حد فائدہ پہنچایا، اور تاریخی نقد وتبصرہ میں قیمتی اضافہ کیا۔ اسناد کو بھی آپ ضروری نہیں سمجھتے تھے اس کی دلیل یہ ہے کہ مؤطا میں آپ نے مرسل احادیث کو بھی شامل کر دیا ہے"

ڈاکٹر عبدالقادر کے طویل مذکرات کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

(۱) امام مالک محدّث نہ تھے۔

(۲) مؤطا حدیث کے بجائے فقہ کی کتاب ہے۔

مذکورہ صدر شبہہ کا جواب:

یہ بات کہ امام مالک محدّث نہ تھے اخفاءِ حق اور علماء کے ایک مسلّمہ امر کی خلاف ورزی ہے اس میں شک نہیں کہ جناب امام اپنے عصر وعہد کے عظیم محدّث تھے۔ درس حدیث کے لیے آپ کی مجالس مشہور تھیں اور اکناف ارضی کے طلبہ اخذ واستفادہ کے لیے اپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ یہ ایک ایسی معروف بات ہے جس کی مخالفت ایک جھگڑالو شخص ہی کر سکتا ہے۔

مہارتِ حدیث کے ساتھ ساتھ آپ وقت کے ایک عظیم فقیہ بھی تھے۔ جب آپ تدریس حدیث کے لیے بیٹھتے تو فقہِ حدیث پر بھی گفتگو کرتے۔ مزید برآں آپ اجتہادی مسائل کے بارے میں بھی اظہار خیال کرتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ آپ یحییٰ بن معین اور اعمش کی طرح صرف محدّث نہ تھے اسی طرح اکثر تابعین حدیث وفقہ کے جامع تھے۔ نظر بریں یہ استدلال کہ چونکہ آپ غیر منصوص مسائل میں اپنی رائے کو استعمال کرتے تھے اس لیے آپ محدّث نہیں بلکہ فقیہ تھے۔ محدثین کے میلانات و

Marfat.com

رجحانات سے بے خبری کی دلیل ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ عظیم راوی ہونے کے پہلو بہ پہلو غیر منصوص مسائل میں اجتہاد کیا کرتے تھے۔ بخلافِ ازیں حضرت ابن عمرؓ بھی محدث تھے اور صرف نصوص سے استدلال کرتے تھے، اجتہاد نہیں کرتے تھے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اجتہاد و استنباط سے کام لینے والا حدیث کے دائرہ سے نکل نہیں جاتا۔ اسی طرح ہر محدث موجودہ نصوص میں اپنی رائے استعمال نہیں کرتا۔ تابعین میں مثال کے طور پر ہم ثوری اور اوزاعی کا نام پیش کر سکتے ہیں۔ یہ دونوں بزرگ بہ یک وقت محدث بھی تھے اور فقیہ بھی۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے حفظ و فہم کی دولت سے نوازا ہو اس کے لیے حدیث و فقہ دونوں میں مہارت و بصیرت رکھنا کچھ بھی مشکل نہیں۔

باقی رہی یہ بات کہ امام مالک نے مؤطا میں مُرسل احادیث کو جگہ دی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے نزدیک مرسل و منقطع روایات سے استدلال درست ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ آپ محدثین کی طرح ماہر اسانید نہ تھے۔ امام مالک سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

"کبھی ایسا ہوتا ہے ایک شیخ ہمارے پاس بیٹھ جاتا اور دن بھر حدیثیں بیان کرتا رہتا مگر ہم اس سے صرف ایک ہی حدیث اخذ کرتے۔"

آپ کا مقولہ ہم قبل ازیں تحریر کر چکے ہیں کہ "علم چار آدمیوں سے اخذ نہیں کیا جاتا۔"

امام مالک کے محدث ہونے کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ آپ کے اقران و اماثل آپ کے محدث اور امام فی الحدیث ہونے کا اعتراف کرتے ہیں۔ سفیان بن عیینہ کا قول ہے:

"امام مالک صرف صحیح حدیث روایت کرتے ہیں اور ثقہ راویوں کے سوا کسی دوسرے سے استفادہ نہیں کرتے۔"

یحییٰ بن سعید القطان فرماتے ہیں:

"مالک امام حدیث تھے۔"

ابو قدامہ کا ارشاد ہے:

"امام مالک حفظِ حدیث میں یگانہ روزگار تھے۔"

(۲) جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ مؤطا حدیث کی کتاب نہیں یہ اس لیے غلط ہے کہ اختلاف

Marfat.com

مذہب ومسلک کے باوصف علماء نے ہر دور میں اس کے ساتھ بے حد اعتناء کیا ہے۔ محمد بن حسن شیبانی کو لیجیئے کہ اصحابِ ابی حنیفہ کے زُمرہ میں شامل ہونے کے باوصف آپ نے موطا کو اہتمام بلیغ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اوزاعی نے ایک مستقل فقہی مسلک کے بانی ومؤسس ہونیکے باوجود اس کی روایت کا بیڑا اُٹھایا۔ امام شافعی نے موطا براہِ راست جناب مالک سے پڑھی علمائے حنفیہ وشافعیہ اس کی شرحیں وخلاصے لکھتے رہے۔ البتہ یہ امر محتاج بیان نہیں کہ مالکیہ نے اس کی جانب زیادہ توجہ مبذول کی اس لیے کہ یہ ان کے امام کی کتاب تھی۔

اور اگر موطا فقہ کی کتاب ہوتی تو مختلف فقہی مسالک کے علماء اس کو اپنی توجہات کی آماجگاہ نہ ٹھہراتے۔ باقی رہی یہ بات کہ موطا کو فقہی ابواب کی ترتیب کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ موطا حدیث کی کتاب نہ ہو۔ صحیح بخاری کو دیکھیئے جس کی تدوین وترتیب صرف اسی لیے عمل میں آئی تھی کہ وہ حدیث کی کتاب ہو مگر بایں ہمہ اس کو فقہی ابواب پر مبوب ومرتب کیا گیا ہے۔ اس کے دوش بدوش امام مالک کی طرح صحیح بخاری میں صحابہ وتابعین کے اقوال وآثار کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ سنن ترمذی کے بارے میں بھی آپ یونہی کہہ سکتے ہیں۔ اس میں تو امام ترمذی نے علماء کے اختلافی اقوال تک کو جگہ دی ہے۔ سنن ابی داؤد کا بھی یہی حال ہے۔

حدیث کی کسی کتاب میں اگر صحابہ وتابعین کے اقوال وآثار کو شامل کر دیا جائے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نہیں ہوتا کہ وہ کتب حدیث کے زُمرہ سے خارج ہو جائے خصوصاً ان محدثین کی رائے میں جو لفظ حدیث کو وسیع معنوں میں لیتے ہیں اور اس میں احادیث نبویہ اور اقوال صحابہ وتابعین سب کو شامل کرتے ہیں۔

موطا کو صحاحِ ستہ میں شامل نہ کرنے کی وجہ اس میں مراسیل کی بھرمار ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ مراسیلِ امام مالک کی رائے میں معمول بہا ہیں مگر دیگر محدثین کے نزدیک نہیں۔ یہ بات موطا کو صحاح ستہ کے اندر شامل نہ کرنے کی موجب ہوئی۔ تاہم موطا کو شاملِ صحاح ستہ کرنے کا مسئلہ متنازع فیہا ہے۔ ہم قبل ازیں اس پر اظہار خیال کر چکے ہیں۔ ہمارے جلیل القدر محدث امام احمد بن حنبل کی مسند بالاتفاق حدیث کی کتاب ہے۔ مگر بکثرت علماء نے بوجوہ اس کو صحاح ستہ میں شامل نہیں کیا۔

Marfat.com

یہ کہنا کہ "متاخرین کا تقویٰ ہی ہے جس نے ان کو اس بات کی تحریک دلائی کہ مؤطا کو کتب صحاح میں شامل کر دیا جائے" یہ مستشرقین کا اسلوب و انداز اور طرزِ تکلم ہے۔ ورنہ متاخرین کے تقویٰ کے کیا معنی ؟ کیا متقدمین کا تقویٰ اس امر کا محرک نہ ہو سکا ؟ پھر یہ کہ اس امر سے تقویٰ کا تعلق ؟

یہ بات امام شافعی کے مذکورہ ذیل قول کی موجودگی میں کیوں کر صحیح ہو سکتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں :

"میرے علم کی حد تک اس کائنات پر کوئی کتاب ایسی نہیں جو امام مالک کی کتاب سے صحیح تر ہو"

محدث ابن الصلاح نے اس کی تاویل یہ کی ہے کہ امام شافعی کا یہ قول اس زمانہ سے تعلق رکھتا ہے جب بخاری و مسلم عالم وجود میں نہیں آئی تھیں۔ (مقدمہ ابن الصلاح، ص ۹)

کیا اس سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے نہیں آتی کہ ہمارے متقدمین مؤطا کو کس قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس کو فقہ کی نہیں بلکہ حدیث کی کتاب تصور کرتے تھے ورنہ ابن الصلاح نے امام شافعی کی جانب سے جو عذر پیش کیا ہے۔ اس کی ضرورت نہ تھی۔ اس کا صاف اور فطری جواب یہ تھا کہ مؤطا فقہ کی کتاب ہے اور صحیحین کتبِ حدیث میں شامل ہیں۔

Marfat.com

۳۔ امام شافعی

۱۵۰ ——————— ۲۰۴ھ

نام ونسب :

نام ونسب محمد بن ادریس بن عباس بن شافع اور کنیت ابو عبداللہ ہے۔ آپ کا نسب قصی تک پہنچتا اور عبد مناف پر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل جاتا ہے۔ آپ ملک شام میں بمقام غزہ سنہ ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے ابھی آپ کی عمر دو سال کی تھی کہ والدہ ان کو مکہ لے آئیں جہاں آپ پروان چڑھے۔ وہاں آپ نے قرآن کریم پڑھا۔ ھُذیل کے فصیح ترین قبیلہ میں سکونت پذیر رہ کر خالص عربی زبان اور شعر ولغت میں مہارت حاصل کی یہاں تک کہ آپ قبیلہ ھُذیل کے اشعار کے معتمد ترین ماخذ قرار پائے۔

شیوخ وتلامذہ :

مروی ہے کہ مشہور ادیب ونقاد اصمعی امام شافعی سے اپنے اشعار کی تصحیح کیا کرتے تھے امام شافعی نے فقہ کا درس مسلم بن خالد زنجی مفتی مکہ سے لیا۔ پھر مدینہ کا رُخ کیا اور امام مالک کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ موطا بتمام وکمال امام مالک سے پڑھی۔ امام مالک نے ہونہار شاگرد میں فہم وذکاء قوتِ حافظہ اور عظمت وشرافت کے آثار دیکھے تو اس کا اکرام بجالانے لگے پھر امام شافعی کو یمن کے علاقہ میں ایک منصب تفویض کیا گیا۔ نتیجہ کے طور پر دشمنوں نے ہارون الرشید کے دربار میں چغلی کھائی اور امام شافعی کو تشیع اور اہل بیت کی طرف داری کے جرم میں بغداد حاضر کیا گیا۔ یہ واقعہ سنہ ۱۸۴ھ میں پیش آیا۔ محمد بن حسن شیبانی کی یقین دہانی پر خلیفہ ہارون نے امام شافعی کو بے گناہ قرار دیا۔

اس واقعہ کے بعد امام شافعی اور محمد بن حسن کے آپس میں گہرے مراسم استوار ہو گئے۔ امام شافعی نے محمد بن حسن کے اصحاب ورفقاء کی تصانیف سے استفادہ کیا۔ امام شافعی خود فرماتے ہیں

"میں جب بغداد سے نکلا تو محمد بن حسن کی بارشتر کے برابر تصانیف میرے ہمراہ تھیں"

Marfat.com

بعدازاں امام شافعی مکہ لوٹ آئے عراق وحجاز کے بلاد و دیار میں گھومتے پھرتے رہے اور ۱۹۹ھ کو مصر میں سکونت گزین ہو گئے مصر ہی میں آپ نے شافعی فقہ مدوّن کی اور ۲۰۴ھ میں دنیا کو علم و اجتہاد سے معمور کر کے اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

مصر و عراق میں آپ کے گرد طالبانِ علم اسی طرح منڈلاتے رہتے تھے جس طرح شمع کے گرد پروانے۔ سُکّانِ مصر کے دل آپ کی الفت و محبت اجلال و اکرام اور اعترافِ جلالت و امامت سے لبریز تھے۔ امام شافعی حد درجہ وسیع العلم شیریں کلام ذہین و فطین اور دقیقہ رس تھے۔ آپ علوم کتاب و سنت کے ماہر اور فنونِ لغت و آداب میں یکتائے روزگار تھے۔

علم حدیث میں امام شافعی کا مقام:

عظیم فقیہ ہونے کے ساتھ آپ محدثین میں بھی امتیازی مقام رکھتے ہیں۔ آپ اولین شخص تھے جس نے روایت حدیث کے قواعد وضع کیے۔ حدیث نبوی کے دفاع کا فریضہ انجام دیا۔ اپنی اس رائے کا اعلان کیا جو امام مالک و ابو حنیفہ دونوں کے خلاف تھی۔ وہ رائے یہ تھی کہ جب حدیث صحیح سندِ متصل کے ساتھ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جائے تو اس پر عمل کرنا واجب ہے امام مالک نے تعاملِ اہل مدینہ کی جو شرط لگائی ہے، امام شافعی اس کے قائل نہ تھے اسی طرح امام ابو حنیفہ نے جو شروط عائد کی ہیں امام شافعی ان کو بھی ضروری نہیں سمجھتے تھے۔

نظر بریں امام شافعی کا شمار اہل الحدیث میں ہوتا ہے اور ان کو "ناصر السنۃ" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے حق بات تو یہ ہے کہ آپ نے اپنی کتاب "الرسالۃ" اور "الامّ" میں حدیث نبوی کی حجیت و اہمیت اس کے دفاع اور قانونِ اسلامی میں اس کے مرتبہ و مقام سے متعلق جو مباحث تحریر کیے ہیں وہ اس ضمن میں تحریر کردہ نہایت قیمتی سرمایہ میں سے ہیں۔ اصول حدیث اور کتاب و سنت کے کسی موضوع پر لکھنے والا شخص آپ کے احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتا۔ امام محمد بن حسن شیبانی نے کس قدر صحیح فرمایا ہے کہ:

"اہل الحدیث جو بات کہتے ہیں امام شافعی کی زبان سے کہتے ہیں"

علامہ زعفرانی فرماتے ہیں:

"اصحاب حدیث سو رہے تھے امام شافعی نے ان کو جگا دیا"

Marfat.com

یہی وجہ ہے کہ علمائے حدیث آپ کی مدح وستائش میں رطب اللسان ہیں اور آپ کا ذکر بہت اچھے انداز میں کرتے ہیں۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں:

"ہر قلم و دوات پکڑنے والے کی گردن پر امام شافعی کا احسان ہے۔"

امام احمد مزید فرماتے ہیں:

"ہمیں امام شافعی کی صحبت میں بیٹھ کر مجمل و مفسر اور ناسخ و منسوخ کا فرق و امتیاز معلوم ہوا۔"

عبدالرحمٰن بن مہدی کا قول ہے:

"امام شافعی کی کتاب "الرسالہ" دیکھ کر میرے اوسان خطا ہو گئے۔ میں نے اس میں شافعی کو ایک دانش مند، فصیح اور ناصح شخص پایا۔ میں اکثر ان کے لیے دعا کرتا ہوں۔"

علامہ کرابیسی کا قول ہے:

"ہمیں نہیں معلوم تھا کہ کتاب و سنت کیا چیز ہے۔ حتیٰ کہ امام شافعی سے مل کر ان کی حقیقت معلوم ہوئی۔ نہ میں نے شافعی جیسا کوئی شخص دیکھا اور نہ خود شافعی نے اپنا کوئی نظیر و مثیل ملاحظہ کیا۔ میں نے ان سے بڑا عالم اور فصیح شخص کبھی نہیں دیکھا۔"

متاخرین کی طرح آپ کے اصول مذہب بھی چار تھے:

کتاب[1] - سنت[2] - اجماع[3] - قیاس[4]۔

البتہ حدیث نبوی کا دائرہ ان کے نزدیک امام مالک و ابوحنیفہ سے کشادہ تر تھا۔ اس لیے کہ آپ اخبار آحاد سے بھی احتجاج کرتے تھے۔ ایک دوسرے اعتبار سے ان کے یہاں عمل بالحدیث کا دائرہ اس لیے تنگ تھا کہ آپ مراسیل سے صرف اس صورت میں احتجاج کرتے تھے جب حدیث مرسل کبار تابعین مثلاً سعید بن المسیب جیسے اشخاص سے مروی ہو۔ آپ "استصحاب حال" کو بھی ایک فقہی قاعدہ کی حیثیت سے تسلیم کرتے تھے۔ استصحاب حنفیہ کے نزدیک نفی و دفع کے سلسلہ میں حجت ہے کسی چیز کے اثبات کے سلسلہ میں نہیں۔

سننِ شافعی اور مسند کے سوا آپ سے حدیث کی کوئی مستقل کتاب منقول نہیں۔ مسند کے

Marfat.com

راوی ابوالعباس اصم اور سنن کے طحاوی ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہر دو کتب آپ نے خود تالیف نہیں کیں بلکہ یہ آپ کے تلامذہ کی جہد وسعی کا حاصل ہیں۔ جو مسانید امام ابوحنیفہ کی جانب منسوب ہیں ان کا بھی یہی حال ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے محدثین کی طرح نہ اپنا حلقۂ درس قائم کیا اور نہ ہی روایات واسانید کی جمع وتالیف کا اہتمام کیا۔ بخلافِ ازیں آپ ایک مجتہد امام تھے اور صرف ان احادیث پر نقد وتبصرہ کرتے تھے جو اصول تشریع میں سے ایک اصل بننے کی حیثیت رکھتی ہیں گویا وہ حدیث کی طلب وتلاش اس لیے کرتے تھے کہ اس کو اپنے فقہ واجتہاد کی اساس قرار دے سکیں اس لیے نہیں کہ ان سے اوراق وکتب کو بھر دیں۔ دراصل یہی بنیادی فرق وامتیاز ہے جو محدثین و فقہاء کے مابین پایا جاتا ہے۔ محدثین کی زندگی کا مرکز ومحور روایتِ حدیث ہے اور بس۔ جب کہ فقہاء کا مطمح نظر فقہ وقانونِ اسلامی ہے، دگر ہیچ۔

Marfat.com

۴ امام احمدؒ

۱۴۶ ——————— ۲۴۱ھ

نام ونسب :

آپ کا نام نامی واسم گرامی احمد بن محمد بن حنبل، کنیت ابوعبداللہ اور نسبت شیبانی ہے بغداد میں ۱۶۴ھ کو پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے۔ آغازِ طالب علمی میں سب سے پہلے قاضی ابویوسف کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے پھر حدیث نبوی کی جانب متوجہ ہوئے اور اسی کے ہو کر رہ گئے۔ آپ شیوخ واساتذہ سے ملتے اور ان سے حدیثیں لکھتے۔ حتیٰ کہ حفظِ حدیث اور اس کے جمع واحاطہ مین آپ اوجِ کمال پر فائز ہوئے اور بلانزاع واختلاف اپنے زمانہ کے منفرد "امام سنت" قرار پائے۔

افادہ واستفادہ :

پہلے پہل امام شافعی سے فقہ کا درس لیا۔ پھر انہی سے حدیث نبوی پڑھنے لگے۔ آپ کے تلامذہ میں امام بخاری ومسلم جیسے محدثین کے اسماء شامل ہیں۔ آپ وَرع وزھد امانت ودیانت اور دینی غیرت وحمیّت میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ خلقِ قرآن کے فتنہ میں مبتلا ہوئے اور خلیفہ مامون کے عہد خلافت سے متوکل کے زمانہ تک مبتلائے مصائب وآلام رہے۔ استقامت علی الحق کے سلسلہ میں آپ نے جو عملی مظاہرہ کیا تھا اس نے جمہور اہل اسلام کے دلوں کو حق وصداقت پر قائم کر دیا۔ لوگوں کے دلوں میں آپ کے لیے بے پناہ ادب واحترام اور الفت ومحبت کے جذبات پیدا ہو گئے۔ سب لوگ بلانزاع واختلاف آپ کی امامت کا اعتراف کرتے تھے۔ آپ کے حق میں لاتعداد علماء کی شہادتیں موجود ہیں۔

آپ سے متعلق شافعی کا صرف ایک ہی قول کافی ہے :

"میں بغداد سے نکلا تو اپنے پیچھے کوئی ایسا شخص نہیں چھوڑا جو احمد بن حنبلؒ سے علم وفضل اور زھد وتقویٰ میں بڑھ کر ہو"

Marfat.com

آپ نے ۲۴۱ھ کو بغداد میں وفات پائی۔ لاتعداد لوگوں نے آپ کے جنازہ میں شرکت کی۔
آپ کے اصول مذہب وہی تھے جو دیگر ائمہ کے یعنی کتاب[1] وسنت[2]۔ اجماع[3] وقیاس[4] آپ حدیث نبوی سے استدلال کے خوگر تھے۔ قبل ازیں آپ کا یہ قول ہم ذکر کر چکے ہیں کہ:

ضعیف الحدیث عندی اولیٰ من رأی الرجال. — ضعیف حدیث میرے نزدیک لوگوں کی رائے سے افضل ہے۔

آپ اقوال صحابہ کی پیروی میں مشہور تھے۔ جب صحابہ کے کسی مسئلہ میں دو یا تین قول ہوتے تو آپ بھی وہ اقوال اختیار کرتے۔ اسی بناء پر بعض علماء نے آپ کو ائمہ فقہاء میں شامل نہیں کیا۔ چنانچہ ابن عبدالبر نے اپنی کتاب "الانتقاء" میں اسی طرح کیا ہے۔ اگرچہ آپ پر حدیث کا رنگ غالب تھا۔ لیکن حق بات یہ ہے کہ آپ کا امام فقیہ اور مجتہد ہونا شک و شبہ سے بالا ہے۔

علم حدیث میں مسند کا مقام:

مسند احمد علم حدیث میں آپ کی زندہ جاوید کثیر النفع اور انتہائی بابرکت کتاب ہے۔ اس میں تقریباً چالیس ہزار احادیث ہیں۔ جن میں دس ہزار مکرر ہیں۔ آپ کو سات لاکھ پچاس ہزار احادیث یاد تھیں جن میں سے آپ نے یہ کتاب مرتب کی۔ کتاب کی تالیف و ترتیب میں آپ کا طریقہ یہ ہے کہ آپ ایک ہی باب میں ایک صحابی کی جملہ مرویات یکجا کر دیتے ہیں۔ مثلاً انہوں نے حضرت ابوبکر کی روایت کردہ تمام احادیث کو اختلاف مبحث و موضوع کے باوصف ایک باب میں جمع کر دیا ہے۔

اس امر میں علمائے حدیث کا اختلاف ہے کہ مسند کو کتب حدیث میں کیا مقام حاصل ہے۔

(۱) ابوموسیٰ مدینی اور ان کے ہمنوا یہ کہتے ہیں کہ مسند میں موجود جملہ احادیث صحیح اور قابل احتجاج ہیں امام احمد خود مسند میں فرماتے ہیں:

"جب کسی حدیث میں تمہارے یہاں اختلاف پیدا ہو تو مسند کی طرف رجوع کرو۔ اگر اس میں موجود ہو تو صحیح ہے ورنہ حجت نہیں"

(۲) علماء کی ایک جماعت کے نزدیک مسند میں صحیح ضعیف اور موضوع ہر قسم کی روایات ہیں۔ ابن جوزی نے اسی خیال کا اظہار کیا ہے۔ اور اپنی موضوعات میں مسند کی انتیس[29] احادیث شامل کیں اور ان کو موضوع قرار دیا ہے۔ حافظ عراقی نے مسند کی موضوعات میں نو[9] احادیث کا

اضافہ کیا ہے۔ ان کے نزدیک مسند میں ۲۸ موضوع احادیث موجود ہیں۔ حافظ عراقی نے ان علماء کی تردید کی ہے جو کہتے ہیں کہ امام احمد نے یہ شرط عائد کی ہے کہ وہ مسند میں صرف احادیث صحیحہ کو جگہ دیں گے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ امام احمد کے مذکورہ صدر قول کا مطلب یہ ہے کہ :

"جو حدیث مسند میں مذکور نہیں وہ حجت نہیں، یہ مطلب نہیں کہ مسند میں جو حدیث بھی مذکور ہے وہ حجت ہے"

(۳) علماء کی ایک تیسری جماعت نے مسند کے بارے میں معتدل موقف اختیار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مسند میں احادیث صحیحہ اور ایسی ضعیف حدیثیں موجود ہیں جو حسن کے درجہ کی ہیں۔ امام ذہبی ابن حجر ابن تیمیہ اور سیوطی کا نقطہ نظر یہی ہے۔ ان علماء نے ابن جوزی اور عراقی پر سخت تنقید کی ہے جن کا دعویٰ ہے کہ مسند میں موضوع احادیث بھی موجود ہیں۔ انہوں نے اس کے شواہد و امثلہ ذکر کر کے ان کا دفاع کیا ہے۔ مگر اس میں تکلف اور کھینچا تانی سے کام لیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ حافظ ابن حجر کو مجبوراً یہ اعتراف کرنا پڑا کہ مسند میں تین چار بے اصل روایات موجود ہیں۔ ابن حجر نے امام احمد کی جانب سے یہ معذرت کی ہے کہ آپ نے قبل ازوفات ان روایات کو حذف کرنے کی وصیت کی تھی۔ مگر سہواً ایسا نہ ہو سکا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ احادیث مٹا دی گئی ہوں اور پھر کسی نے ان کے نیچے دوبارہ وہی عبارت رقم کر دی ہو۔

آپ اس حقیقت سے آگاہ و آشنا ہیں کہ امام احمد احادیث فضائل میں سہل انگاری سے کام لیتے ہیں۔ جرح و تعدیل میں ان کا رویہ یعنی بر اعتدال ہے۔ نیز یہ کہ آپ کے بیٹے عبداللہ اور مسند کے راوی ابوبکر قطیعی نے مسند میں غیر ذمہ دارانہ طور پر کچھ اضافے کیے ہیں۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مسند احمد کا کتب حدیث میں کیا پایہ ہے۔ نیز یہ کہ بات وہی درست ہے جو محدث ابن جوزی اور حافظ عراقی نے کہی ہے۔ یہ دونوں بزرگ نقدِ حدیث میں اپنا ایک خاص مقام رکھتے ہیں اور صرف سند پر ہی نقد و جرح نہیں کرتے بلکہ متنِ حدیث کو بھی جانچتے پرکھتے ہیں۔

حافظ ابن حجر اور سیوطی نے امام احمد کا جو دفاع کیا ہے وہ صرف دینی عصبیت و حمایت کے

Marfat.com

پیش نظر ہے۔ اس سے امام احمد کو کچھ ضرر بھی لاحق نہیں ہوتا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ منہاج السنۃ میں لکھتے ہیں:

"امام احمد نے مسند میں یہ شرط لگائی ہے کہ وہ ان لوگوں سے روایت نہیں کرتے جو ان کے نزدیک معروف بالکذب ہیں۔ اگرچہ ان میں ضعیف راوی بھی ہوتے ہیں۔ مزید براں امام احمد کے صاحبزادے عبداللہ اور مسند کے راوی ابوبکر قطیعی نے مسند میں ناروا قسم کے اضافے کیے ہیں جو اس کا بدنما بن کر رہ گئے ہیں۔ یہ اضافات اکثر و بیشتر احادیث موضوعہ پر مشتمل ہیں۔ جہلاء نے یہ سمجھا کہ یہ امام احمد کی روایت سے ہیں۔

Marfat.com

۵-امام بخاری

۱۹۴ ـــــــــــــ ۲۵۶ھ

نام ونسب اور تربیت :

نام محمد بن اسماعیل بن ابراہیم کنیت ابوعبداللہ اور لقب امام المحدثین ہے آپ علی الاطلاق اپنے عصر وعہد میں حفاظِ حدیث کے سرخیل تھے۔ آپ بخارا میں بروز جمعہ ۱۳ شوال ۱۹۴ھ کو پیدا ہوئے ابھی دس سال کی عمر کو بھی نہیں پہنچے تھے کہ حفظ حدیث کا آغاز کر دیا۔ پھر اسی راہ پر گام زن رہے اور طلبِ حدیث میں عالم اسلامی کا کونہ کونہ چھان مارا۔ وہ خود فرماتے ہیں :

"میں سرزمین شام ومصر اور جزیرہ میں دو مرتبہ گیا۔ بصرہ میں چار مرتبہ گیا اور چھ سال حجاز میں مقیم رہا۔ ٹھیک یاد نہیں رہا کہ محدثین کی رفاقت میں کتنی مرتبہ کوفہ اور بغداد جانے کا اتفاق ہوا"

امام بخاری کو جس شیخ الحدیث کا پتہ چلتا اس کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ کرتے۔ آپ قوتِ حافظہ عِلَلِ اسانید ومتون کے فہم وادراک میں اپنی مثال آپ تھے۔ بغداد میں ان کے امتحان کا واقعہ اس قدر مشہور ہے کہ اس کے دُہرانے کی ضرورت نہیں۔ یہ واقعہ آپ کی قوت حافظہ اور فن حدیث کے امام ہونے کی زندہ دلیل ہے۔ حدیث نبوی کی تحصیل کے سلسلہ میں آپ نے جو تکالیف شاقہ اٹھائی تھیں اس کا ثمرہ بارگاہ ربانی سے آپ کو یہ ملا کہ آپ لوگوں میں ہر دلعزیز ہو گئے اور ہر طرف آپ کی مدح وستائش کے چرچے ہونے لگے۔

محمود بن ناظر بن سہل شافعی فرماتے ہیں :

"میں بصرہ، شام، حجاز اور کوفہ میں گیا اور وہاں کے علماء سے ملا جب محمد بن اسماعیل بخاری کا ذکر آتا تو وہ ان کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے"

ایک مرتبہ امام بخاری نے اپنے استاد اسحاق بن راھَوَیہ کو سنا وہ اپنے تلامذہ سے کہہ رہے تھے :

Marfat.com

"اگر تم احادیثِ صحیحہ پر مشتمل ایک مختصر کتاب جمع کر لو تو کتنا اچھا ہو"

امام بخاری فرماتے ہیں :

"یہ بات میرے دل میں بیٹھ گئی اور میں نے "الجامع الصحیح" کی جمع و ترتیب کا بیڑا اٹھایا"

امام محمد بن اسماعیل نے صحیح بخاری کی ترتیب و تہذیب میں سولہ[16] سال کا عرصہ صرف کیا۔ ہر حدیث لکھنے سے پہلے غسل کرتے اور دو رکعت نماز نفل ادا کرتے۔ پھر بارگاہِ ربانی میں استخارہ کرتے۔ صرف اسی حدیث کو بخاری میں جگہ دیتے جو صحیح اور متصل سند کے ساتھ رسول کریم تک پہنچ جاتی ہو اور اس کے رُواۃ و رجال ضبط و عدالت کی صفات سے موصوف ہوں۔ امام بخاری کے نزدیک صرف یہی بات کافی نہیں کہ تلمیذ اپنے شیخ کا ہم عصر ہو بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ شاگرد اپنے استاد سے ملا ہوا اور وہ اس سے حدیث کا سماع کر چکا ہو۔

نظر بریں صحیح بخاری حدیث کی پہلی کتاب تھی جو ان نازک شرائط کے مطابق مرتب ہوئی اور جس کا دامن ضعیف اور حسن روایات تک سے پاک تھا۔ یہ صرف احادیث صحیحہ کی جامع تھی۔ امام بخاری نے اس کو فقہی ابواب پر مرتب کیا۔ یہ ترتیب استنباطِ مسائل میں آپ کی باریک بینی و ژرف نگاہی کی منہ بولتی تصویر ہے۔ بعض اوقات ترجمۃ الباب اور اس میں مندرج حدیث میں موافقت دیگا نگت بظاہر نظر نہیں آتی۔ گاہے یوں ہوتا ہے کہ آپ ایک باب میں کوئی خاص حدیث تلاش کرتے ہیں اور وہاں نہیں ملتی، بلکہ کسی دوسرے باب میں ملتی ہے۔ آپ کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں ہوتی کہ یہ حدیث فلاں باب میں مل سکتی ہے۔

جناب امام نے صحیح بخاری میں تائیداً موقوف و معلق روایات صحابہ و تابعین کے فتاویٰ اور علماء کے اقوال بھی ذکر کیے ہیں۔ امام بخاری کا ایک انداز یہ بھی ہے کہ آپ ایک ہی حدیث کو چند اجزاء میں تقسیم کر کے مختلف ابواب میں اس کا مناسب جزو شامل کرتے ہیں۔

حافظ ابن حجر مقدمہ فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ بخاری میں مندرجہ کل احادیث مع مکررات و بجز معلقات و متابعات و موقوفات کل سات ہزار تین سو ستانوے (۷۳۹۷) ہیں۔ اور اگر مکررات کو شامل نہ کیا جائے تو متصل السند احادیث کی کل تعداد دو ہزار چھ سو دو (۲۶۰۲) ہے۔

Marfat.com

جب امام مکرم صحیح بخاری کی تالیف و تہذیب سے فارغ ہوئے تو اس کو احمد بن حنبل ابن معین اور ابن المدینی جیسے اکابر محدثین کے سامنے پیش کیا انہوں نے اسے پسند کیا اور چار احادیث کے علاوہ باقی کو صحیح قرار دیا۔ محدث عقیلی فرماتے ہیں کہ ان چار احادیث کے بارے میں امام بخاری کی رائے صائب ہے۔ جب اس کو لوگوں کے سامنے پیش کیا اور اس میں مندرج احادیث لوگوں کو سنائیں تو اس کا شہرہ دُور دُور تک پہنچ گیا۔ خطۂ ارضی کے دُور افتادہ کونوں سے لوگ جناب امام کی خدمت میں استفادہ کے لیے کشاں کشاں پہنچے۔ حتیٰ کہ آپ کے تلامذہ کی تعداد ایک لاکھ تک پہنچ گئی۔ صحیح بخاری کے نسخے تمام بلاد و امصار میں پھیل گئے۔

اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ لوگوں نے صحیح بخاری کی خدمت کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں کسی نے شرح لکھی۔ کسی نے اس کا خلاصہ تیار کیا۔ کچھ اہل علم اس کے حفظ و درس میں لگ گئے صحیح بخاری کی وجہ سے اہل علم میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ امام ذہبی فرماتے ہیں:

"صحیح بخاری قرآن کریم کے بعد اسلامی کتب میں سب سے افضل کتاب ہے اگر کوئی شخص تین ہزار میل کی مسافت طے کر کے اس کے سماع کے لیے جائے تو اس کی کاوش رائگاں نہ ہوگی۔"

حفاظِ حدیث نے صحیح بخاری کی ایک سو دس (۱۱۰) احادیث پر نقد و جرح کی ہے۔ ان میں سے امام مسلم نے تینتیس (۳۳) احادیث صحیح مسلم میں روایت کی ہیں۔ اٹھتر (۷۸) احادیث کے روایت کرنے میں امام بخاری منفرد ہیں۔ ان ۷۸ احادیث کے بارے میں حافظ ابن حجر مقدمہ فتح الباری میں فرماتے ہیں:

"ان سب میں علّت قادحہ موجود نہیں۔ بخلافِ ازیں بعض احادیث پر وارد کردہ اعتراض کا جواب آسانی سے دیا جا سکتا ہے۔ بعض میں جواب کا احتمال ہے۔ ان میں سے بہت کم روایات ایسی ہیں جن کا جواب دینے میں تکلف سے کام لینا پڑتا ہے۔ جو شخص احادیث منتقدہ پر غور و فکر کرے گا اور دیکھے گا کہ ان پر کیا اعتراض وارد کیا گیا ہے۔ اس پر یہ حقیقت کھل جائے گی کہ اس قسم کی تنقید سے ان کی صحت میں فرق نہیں آتا۔ دراصل یہ ایک قسم کی مَوْرِدی و

ظاہری تنقید ہے جس کا منشا و مصدر علماء کی شدتِ احتیاط اور حد سے بڑھی ہوئی بیدار مغزی اور مستعدی ہے۔

مثلاً کسی حدیث کے مُرسل ہونے پر نقد و تبصرہ۔ حالانکہ وہ بظاہر مرسل اور درحقیقت موصول ہوتی ہے۔ یا وہ حدیث جس کو کسی راوی نے مُرسلاً روایت کیا ہو اور اس کے اقران و اماثل اسی حدیث کو متصلاً روایت کرتے ہوں۔ امام بخاری کی یہ عادت ہے کہ وہ معًا دونوں روایتیں ذکر کر دیتے ہیں، ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ پہلی روایت میں ارسال کا جو وہم پایا جاتا ہے وہ دوسری روایت سے زائل ہو جائے۔ نیز یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ یہ علت قادحہ نہیں ہے۔ یہ ہیں اس تنقید کے نظائر و امثلہ جو صحیح بخاری کی احادیث پر کی گئی ہے حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری میں اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔

جہاں تک صحیح بخاری کے رُواۃ و رجال کا تعلق ہے حفاظِ حدیث نے ان میں سے اسّی[۸۰] کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ان میں سے اکثر امام بخاری کے وہ شیوخ و اساتذہ ہیں جن سے آپ ملے ان کی ہم نشینی اختیار کی اور ان کے اخلاق و عادات سے آگاہی حاصل کی۔ اس لیے وہی ان کے حالات سے زیادہ باخبر ہو سکتے ہیں۔ مگر یہ تنقید۔ خواہ صحیح بخاری کی اسانید پر کی گئی ہو یا احادیث پر ——— صحیح بخاری پر اثر انداز نہ ہو سکی۔ اس کی مقبولیت پر علماء کا اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ جمہور علماء اس ضمن میں یک زبان ہیں کہ کتاب ربانی کے بعد صحیح بخاری اس کائنات پر صحیح ترین کتاب ہے۔ البتہ یہ امر متنازع فیہ ہے، کہ آیا بخاری کی احادیث سے قطعی علم حاصل ہوتا ہے یا ظنی؟ محدث ابن الصلاح یقینی علم کے قائل ہیں مگر نووی ظنی علم کا دعویٰ کرتے ہیں۔ خواہ احادیث کا درجہ صحت کے اعتبار سے کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو۔ جمہور کا مذہب بھی یہی ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے ۲۵۶ھ میں وفات پائی۔ (مقدمہ فتح الباری)

قرآن حکیم کے بعد علماء نے جو اعتناء صحیح بخاری کے ساتھ کیا اور کسی کتاب کے ساتھ

Marfat.com

نہیں کیا۔ یہاں تک کہ جن لوگوں نے بخاری کی شرح لکھی، اس کا خلاصہ تیار کیا یا اس کے رجال پر بحث کی، بے حد کثیر العدد ہیں۔ آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ صاحب کشف الظنون کے بیان کے مطابق صحیح بخاری کی شروح کی تعداد بیاسی ۸۲ ہے۔ بخاری کی چار شروح نہایت مشہور ہیں وہ حسب ذیل ہیں :

(۱) صحیح بخاری کی سب سے زیادہ مشہور اور مفید ترین شرح، حافظ ابن حجر ۸۵۲ھ کی فتح الباری ہے۔

(۲) علامہ بدرالدین عینی (۸۵۵ھ) کی عمدۃ القاری ہے۔

(۳) بدرالدین زرکشی (۷۹۴ھ) کی شرح جس کا نام التنقیح ہے۔

(۴) جلال الدین سیوطی (۹۱۱ھ) کی شرح جس کا نام التوشیح ہے۔

Marfat.com

۶- امام مسلمؒ

۲۰۴ ——— ۲۶۱ھ

نام ونسب :

نام نامی مسلم بن حجاج قشیری نیسابوری ہے۔ آپ علم حدیث کے یکتائے روزگار امام اور شہرۂ آفاق محدث تھے۔ آپ ۲۰۴ھ کو نیسابور میں پیدا ہوئے۔ عہد طفولیت ہی میں طلب علم کا آغاز کیا۔ پھر علم کی تلاش میں عالم اسلامی کا کونہ کونہ چھان مارا۔ آپ عراق وحجاز اور شام ومصر گئے اور وہاں کے شیوخ اور امام بخاری کے اساتذہ سے کسبِ فیض کیا۔ آپ امام بخاری کا بے حد احترام کرتے تھے۔ صحیح مسلم کی ترتیب وتہذیب میں آپ نے صحیح بخاری کو نمونہ قرار دیا۔ زندگی کے آخری ایام میں امام بخاری ومسلم کے تعلقات قدرے کشیدہ ہو گئے تھے۔ آپ نے نیسابور میں ۲۶۱ھ کو وفات پائی۔

آپ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "صحیح مسلم" مرتب کی۔ یہ نہایت قابل قدر اور صحیح بخاری کی طرح صحت کے اعتبار سے مشہور ترین کتاب ہے۔ اکثر علماء صحیح بخاری کو بوجوہِ ذیل صحیح مسلم پر ترجیح دیتے ہیں۔

(۱) امام بخاری نے یہ شرط لگائی ہے کہ تلمیذ کے لیے صرف یہی کافی نہیں کہ وہ اپنے شیخ کا ہم عصر ہو بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ کم از کم اس سے ایک دفعہ ضرور مل چکا ہو۔

(۲) امام بخاری بڑے باریک بین فقیہ ہیں اور ان کی کتاب ایسے فقہی استنباطات کی حامل ہے جو صحیح مسلم میں مفقود ہیں۔

(۳) امام بخاری رُواۃ ورجال کے بارے میں بے حد محتاط ہیں۔ صحیح بخاری کے راویوں میں سے اسّی راوی ایسے ہیں جن پر نقادِ حدیث نے نقد وجرح کی ہے۔ بخلافِ ازیں صحیح مسلم کے ایک سو ساٹھ راویوں پر جرح کی گئی ہے۔ حالانکہ نقادِ حدیث کی تنقید میں کلام کی گنجائش ہے۔ مزید برآں بخاری کے جن راویوں پر تنقید کی گئی ہے امام بخاری نے ان سے بہت کم

Marfat.com

احادیث روایت کی ہیں۔ ان میں سے اکثر تو آپ کے وہ شیوخ و اساتذہ ہیں جن کے ذاتی حالات تک سے آپ آگاہ و آشنا ہیں۔

(۴) شذوذ و اعلال کے اعتبار سے صحیح بخاری کی احادیثِ منتقدہ صحیح مسلم کی نسبت بہت کم ہیں۔ بخاری میں ایسی احادیث ۸۰ ہیں جب کہ صحیح مسلم میں ایک سو تیس (۱۳۰) ہیں۔

مذکورہ صدر اسباب و وجوہ کے پیش نظر اکثر علماء صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر ترجیح دیتے ہیں علماء کے یہاں اس بات پر کامل اتفاق پایا جاتا ہے کہ امام بخاری کا پایہ علم حدیث میں امام مسلم سے کہیں بلند ہے۔ امام مسلم خود بھی اس بات کا اعتراف کرتے ہیں۔ امام مسلم نے بخاری سے روایت کی ہے مگر امام بخاری نے مسلم سے کوئی حدیث روایت نہیں کی۔ بایں وجہ امام مسلم امام بخاری کے شاگرد بھی ہوئے۔

البتہ بعض فنی امور کے اعتبار سے جن کا تعلق تالیف و ترتیب کے ساتھ ہے صحیح مسلم کو بخاری کے مقابلہ میں ترجیح حاصل ہے۔ مثلاً یہ کہ امام مسلم کسی حدیث کو اجزاء میں تقسیم نہیں کرتے اور نہ ہی سند کو مکرر لاتے ہیں۔ بخلاف ازیں امام مسلم پوری حدیث کو ایک ہی جگہ نقل کر دیتے ہیں۔ مزید برآں اس حدیث کے جتنے مختلف طرق و اسانید ہیں اور جن مختلف الفاظ کے ساتھ وہ مروی ہوتی ہے وہ سب یکجا کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ طالب علم کے لیے صحیح مسلم سے اخذ و استفادہ صحیح بخاری کی نسبت آسان تر ہے ——— کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

قالوا لمسلم فضلٌ ۔ قلت البخاری اعلیٰ قالوا المکرر فیہ ۔ قلت المکرر احلیٰ

(۱) لوگوں نے کہا مسلم افضل ہے اور میں نے کہا بخاری اعلیٰ ہے۔
(۲) وہ کہنے لگے بخاری میں مکرر حدیثیں ہیں، میں نے کہا مکرر شیریں ہیں۔

صحیح مسلم کی تمام احادیث مع مکررات ۷۲۷۵ و بحذف مکررات چار ہزار ہیں۔ بکثرت علماء نے اس کی شرحیں تحریر کی ہیں۔ صاحب کشف الظنون کے بیان کے مطابق اس کی شروح کی تعداد پندرہ (۱۵) ہے مشہور ترین شرح حافظ ابو زکریا یحییٰ بن شرف نووی شافعی (۶۷۶ھ) نے تحریر کی بہت سے علماء نے مسلم کا خلاصہ لکھا مشہور ترین خلاصہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ احمد بن عمر قرطبی متوفی ۶۵۶ھ نے تحریر کیا۔ اسی طرح حافظ زکی الدین عبد العظیم منذری متوفی ۶۵۶ھ کا خلاصہ مسلم بھی بہت مشہور ہے۔

(تہذیب الاسماء للنووی، ج ۲، ص ۸۹ و مفتاح السنۃ ص ۷)

۷۔ امام نسائی

۲۱۵ ——— ۳۰۳ھ

نام ونسب :

آپ کا اسم گرامی احمد بن شعیب کنیت ابوعبدالرحمٰن اور نسبت نسائی ہے۔ آپ یگانۂ روزگار محدث اور جرح وتعدیل کے امام تھے۔ آپ ۲۱۵ھ کو خراسان کے مشہور شہر نساء میں پیدا ہوئے آپ نے خراسان، حجاز، عراق، مصر وشام اور جزیرہ کے محدثین کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ آپ بہت بڑے عابد شب زندہ دار تھے۔ علوم الحدیث کے ماہر وجامع تھے۔ حتیٰ کہ ذہبی فرماتے ہیں کہ وہ امام مسلم سے بھی بڑے حافظِ حدیث تھے۔ آپ نے رملہ کے مقام پر ۳۰۳ھ میں وفات پائی۔

سُنن نسائی :

امام نسائی نے پہلے سننِ کبریٰ مرتب کی جس میں صحیح ومعلول ہر قسم کی حدیثیں تھیں۔ بعدازاں سننِ صغریٰ کی صورت میں اس کا خلاصہ لکھ کر "المجتبیٰ" کے نام سے موسوم کیا (اس کا درجہ صحیحین کے لگ بھگ ہے۔ اس لیے کہ بخاری ومسلم کے بعد اس میں سب سے کم ضعیف حدیثیں پائی جاتی ہیں)۔ جلال الدین سیوطی نے اس کی مختصر شرح "زہر الربیٰ علی المجتبیٰ" نامی تحریر کی۔ اسی طرح ابوالحسن محمد بن عبدالہادی سندھی حنفی متوفی ۱۱۳۸ھ نے ایک مختصر شرح مرتب کی جس میں صرف ضبطِ الفاظ اور ایضاحِ الفاظ غریبہ پر اکتفاء کیا جس کی قاری اور مدرس دونوں کو شدید ضرورت ہوتی ہے۔

(تہذیب الاسماء للنووی ومفتاح السنۃ، ص ۷۹)

Marfat.com

۸۔۔امام ابوداؤد

۲۰۲ ھ ——— ۲۷۵ ھ

نام ونسب :

نام نامی سلیمان بن اشعث بن اسحٰق اسدی سجستانی ہے۔ ۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے اور طلبِ علم کی خاطر عراق وشام اور مصر وخراسان کی دشت گردی وصحرانوردی اختیار کی۔ ان دیار وبلاد کے اساتذہ سے حدیثیں لکھیں۔ امام بخاری ومسلم کے شیوخ مثلاً امام احمد ابن ابی شیبہ قتیبہ بن سعید وغیرھم کے سامنے بھی زانوئے ادب تہہ کیا۔ امام نسائی اور دیگر محدثین نے آپ سے استفادہ کیا۔ اہل علم ان کے علم وفضل فہم وادراک اور تدین وتشرع کے ثناخواں تھے۔ محدث حاکم فرماتے ہیں :

"ابوداؤد بلانزاع اپنے عصر وعہد میں اہل حدیث کے امام تھے"

۲۷۵ھ میں بمقام بصرہ وفات پائی۔

امام ابوداؤد نے سنن کو پانچ لاکھ احادیث سے منتخب کرکے مرتب کیا اس میں کل چار ہزار آٹھ سو احادیث ہیں۔ سنن ابی داؤد صرف احادیثِ احکام کی جامع ہے۔ بدیں اعتبار اسلامی احکام کے سلسلہ میں حدیث کی یہ پہلی کتاب ہے۔ سنن ابی داؤد ایسی تمام احادیث پر مشتمل ہے جن پر فقہاء نے احکام کی اساس رکھی تھی۔ اسی لیے امام سلیمان خطابی معالم السنن میں رقم طراز ہیں :

"خوب جان لیجئے کہ سنن ابی داؤد بہترین کتاب ہے۔ علم دین میں ایسی کتاب تاہنوز تصنیف نہیں کی گئی۔ سب لوگوں کے یہاں اس کو خلعتِ قبول سے نوازا گیا ہے علماء کے سب گروہ اور فقہاء کے تمام طبقات اختلافِ مذاہب ومسالک کے باوجود اس کو حکم مانتے ہیں۔ علماء میں اس کو مرکز ومحور کی حیثیت حاصل ہے اہل عراق و مصر بلاد مغرب اور اکثر دیار وامصار کے لوگ اس پر اعتماد کرتے ہیں۔ البتہ اہل خراسان صحیحین اور ان کتب کے شیفتہ وفریفتہ ہیں جو ان دونوں کی شرط کے مطابق تحریر کی

Marfat.com

البتہ ابوداؤد وضع وترتیب کے اعتبار سے بہت عمدہ کتاب ہے اور اس میں زیادہ فقاہت پائی جاتی ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی کی کتاب بھی بہت اچھی ہے اور ان کا طرز وانداز وہی ہے جو انھوں نے خود بتایا۔"

محدث ابن الصلاح اپنے مقدمہ میں امام ترمذی سے نقل کرتے ہیں :

"میں نے اپنی کتاب میں احادیث صحیحہ لکھیں اور جو ان سے ملتی جلتی ہیں۔ جس حدیث میں شدید قسم کا کوئی وہم پایا جاتا تھا اس کو بیان کر دیا۔ جس حدیث پر میں نے کوئی تنقید نہیں کی وہ لائق احتجاج ہے۔ اور بعض حدیثیں دوسری احادیث سے زیادہ صحیح ہوا کرتی ہیں۔" (مقدمہ ابن الصلاح، ص ۱۸)

محدث ابن مندہ امام ابوداؤد کے بارے میں فرماتے ہیں :

"ابوداؤد ضعیف حدیث اس وقت روایت کرتے ہیں جب اس ضمن میں دوسری کوئی حدیث موجود نہ ہو۔ اس لیے کہ ضعیف حدیث اشخاص و رجال کی رائے سے بہرحال قوی تر ہے۔"

حال ہی میں قاہرہ میں امام ابوداؤد کا مکتوب بنام اہل مکہ شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے سنن ابی داؤد کے طریق تالیف اور انتخاب احادیث کے طرز وانداز پر روشنی ڈالی ہے۔

بکثرت اہل علم نے سنن ابی داؤد کی شرحیں تحریر کیں۔ مندرجہ ذیل کے اسماء قابل ذکر ہیں :

(۱) امام سلیمان خطابی نے معالم السنن لکھی۔

(۲) قطب الدین یمنی شافعی (۶۵۲ھ)

(۳) شہاب الدین رملی (۸۴۴ھ)

(۴) حافظ منذری (۶۵۶ھ) نے ابوداؤد کا خلاصہ لکھا۔ پھر ابن قیم (۷۵۱ھ) نے اس خلاصہ میں مزید کانٹ چھانٹ کی۔

(۵) ہمارے معاصرین میں سے شیخ محمود خطاب سبکی نے ابوداؤد کی مفصل شرح تحریر کی۔

۹۔ امام ترمذی

۲۰۹ ——— ۲۷۹ھ

نام ونسب :

اسم گرامی محمد بن عیسیٰ بن سورہ کنیت ابو عیسیٰ اور نسبت ترمذی ہے۔ آپ ترمذ کے شہر میں ۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے۔ تیسیر الوصول کے مقدمہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ آپ کی ولادت ۲۰۰ھ میں ہوئی۔ بکثرت محدثین سے استفادہ کیا جن میں مندرجہ ذیل کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں :

(۱) امام محمد بن اسماعیل بخاری۔

(۲) قتیبہ بن سعید۔

(۳) اسحاق بن موسیٰ۔

(۴) سفیان بن وکیع و دیگر شیوخ واساتذہ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

طالب علمی :

طلب علم کی خاطر آپ نے ملک ملک کی خاک چھانی۔ سکانِ خراسان، عراق، حجاز کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا۔ یہاں تک کہ بلا نزاع و اختلاف آپ امام حدیث ٹھہرے۔ آپ حافظ و ثقہ نہایت متقی اور زہد و ورع سے بہرہ ور تھے۔

ابو یعلیٰ خلیلی فرماتے ہیں :

"امام ترمذی بالاتفاق ثقہ تھے۔ آپ کی توثیق و تائید کے لیے یہی امر کافی ہے کہ امام المحدثین محمد بن اسماعیل بخاری ان پر اعتماد کرتے اور ان سے استفادہ کرتے تھے"

امام ترمذی نے ۲۷۹ھ کو ترمذ میں وفات پائی۔

جامع ترمذی :

امام ترمذی نے اپنی کتاب کو فقہی ابواب کے مطابق مرتب کیا اس میں صحیح حسن اور ضعیف ہر قسم کی حدیثیں موجود ہیں۔ جناب امام ہر حدیث کا درجہ ساتھ ہی بیان کر دیتے ہیں اور وجہ ضعف بھی

Marfat.com

بھی روشنی ڈالتے ہیں۔ آپ نے ہر باب سے متعلق صحابہ اور علماء بلاد و امصار کے مذاہب و مسالک بیان کیے ہیں۔ جامع ترمذی کی عظیم خصوصیت یہ ہے کہ جناب امام نے اس کے آخر میں عِلَل کے ذکر و بیان کے لیے ایک الگ رسالہ مرتب کیا ہے جس میں حدیث سے متعلق اہم قواعد ذکر کیے ہیں۔ اکثر علماء نے ترمذی کی شرحیں تحریر کی ہیں۔ اس ضمن میں مندرجہ ذیل علماء کے اسماء قابل ذکر ہیں :

(۱) ابوبکر بن العربی (۵۴۶ھ)

(۲) جلال الدین سیوطی (۹۱۱ھ)

(۳) ابن رجب حنبلی (۷۹۵ھ)

و دیگر محدثین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ۔

(تہذیب الاسماء واللغات نووی و میزان الاعتدال ذہبی، ج ۳۔ ص ۱۱۷)

Marfat.com

۱۰۔ ابن ماجہ

۲۰۷ ——— ۲۷۳ھ

نام ونسب :

نام مبارک محمد بن یزید بن ماجہ کنیت ابوعبداللہ اور نسبت قزوینی ہے۔ آپ ۲۰۷ھ میں پیدا ہوئے۔ حدیث نبوی کی طلب و تلاش میں عرصہ دراز تک بادیہ پیمائی کی۔ یہاں تک کہ اصحاب مالک اور لیث بن سعد سے حدیثیں سنیں۔ ان گنت لوگ آپ کے بحر علم سے سیراب ہوئے۔ محدث ابولیلیٰ قزوینی آپ کے بارے میں فرماتے ہیں:

"آپ زبردست محدث اور صاحبِ تصانیف کثیرہ تھے۔ آپ کی تاریخ اور سنن بہت مشہور ہیں۔ آپ نے عراقِ عرب وعجم اور مصر وشام کا طویل سفر کر کے علمی استفادہ کیا"

مفسر ابن کثیر کا ارشاد ہے:

"سنن ابن ماجہ نہایت مشہور کتاب ہے۔ یہ کتاب امام ابن ماجہ کے تبحر علمی کی منہ بولتی تصویر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اصول وفروع میں سنت کے کس قدر متبع تھے"

سنن ابن ماجہ تینتیس[۳۳] کتب ایک ہزار پانچ سو[۱۵۰۰] ابواب اور چار ہزار احادیث کی جامع ہے چند احادیث کو چھوڑ کر باقی صحیح ہیں۔ آپ نے ۲۷۳ھ میں وفات پائی۔ (البدایہ والنہایہ، ج ۱۱ ص ۵۲)

سنن ابن ماجہ کا مقام :

بکثرت متقدمین ومتاخرین کے نزدیک حدیث کی بنیادی کتب مندرجہ ذیل پانچ ہیں:

بخاری[۱] ۔ مسلم[۲] ۔ نسائی[۳] ۔ ابوداؤد[۴] ۔ ترمذی[۵] ۔

بعض متاخرین نے ابن ماجہ کو مفید کتاب سمجھ کر ان میں شامل کر دیا۔ حافظ ابوالفضل طاہر المقدسی (۵۰۷ھ) اولین محدث تھے جس نے ابن ماجہ کو صحاح ستہ میں شامل کیا۔ بخلاف ازیں

Marfat.com

بعض نے ابن ماجہ کے بجائے سنن دارمی کو ان میں شامل کیا۔ اس لیے کہ ابن ماجہ نے ایسے راویوں سے بھی حدیثیں روایت کی ہیں جو متہم بالکذب اور حدیث میں سرقہ کرنے والے تھے۔ علماء کی ایک جماعت کے نزدیک مؤطا کو اس کی صحت و جلالت کے پیش نظر صحاح ستہ میں شامل کرنا چاہیئے سنن ابن ماجہ کا درجہ سنن نسائی سنن ابی داؤد اور سنن ترمذی سے فروتر ہے۔ امام سیوطی المجتبیٰ کی شرح میں لکھتے ہیں:

"ابن ماجہ ایسے راویوں سے حدیثیں روایت کرنے میں منفرد ہیں جو متہم بالکذب اور حدیث میں سرقہ کا ارتکاب کرنے والے تھے۔ بعض احادیث صرف انہی سے منقول ہیں۔ مثلاً حبیب[1] بن ابی حبیب کاتبِ مالک۔ علاء بن[2] زید۔ داؤد[3] بن المجبر۔ عبدالوہاب[4] بن ضحاک وغیرہم"

بکثرت علماء نے سنن ابن ماجہ کی شرحیں تحریر کیں۔ ان میں محمد بن موسیٰ الدمیری (۸۰۸ھ) اور امام سیوطی (۹۱۱ھ) کے نام قابل ذکر ہیں۔ امام سیوطی نے "مصباح الزجاجہ علی سنن ابن ماجہ" کے نام سے اس کی شرح تحریر کی۔ خداوند کریم کی اعانت و توفیق سے یہ کتاب پایۂ تکمیل کو پہنچی۔

للہ الحمد فی الاولیٰ والاخرۃ۔ وصلی اللہ علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم۔ والحمد للہ رب العالمین۔

خادم حدیثِ رسولؐ
غلام احمد حریری۔
یکم جون ——— ۱۹۶۷ء
ڈی — ۶۱ — پیپلز کالونی ——— لائل پور

Marfat.com

فہرست مصادر و مآخذ

	مطبوعہ
۱۔ تفسیر ابن جریر طبری	قاہرہ
۲۔ الدر المنثور للسیوطی	〃
۳۔ الاتقان فی علوم القرآن سیوطی	〃
۴۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری ابن حجر	〃
۵۔ مقدمہ فتح الباری ابن حجر	〃
۶۔ قسطلانی شرح بخاری	〃
۷۔ کرمانی شرح بخاری	〃
۸۔ شرح مسلم للنووی	〃
۹۔ معالم السنن للخطابی	〃
۱۰۔ الفتح الربانی علی مسند الامام احمد	〃
۱۱۔ شرح مؤطا از علامہ باجی	〃
۱۲۔ سنن نسائی	〃
۱۳۔ سنن ابن ماجہ	〃
۱۴۔ نصب الرایہ زیلعی	〃
۱۵۔ تاویل مختلف الحدیث ابن قتیبہ	〃
۱۶۔ فتح الملہم شرح صحیح مسلم مولانا شبیر احمد عثمانی	پاکستان
۱۷۔ جامع المسانید خوارزمی	〃
۱۸۔ زاد المعاد فی ہدی خیر العباد ابن قیم	〃
۱۹۔ شروط الائمۃ الخمسۃ حازمی	قاہرہ
۲۰۔ القول المسدد فی الذب عن مسند احمد۔ ابن حجر	بمبئی
۲۱۔ مفتاح السنۃ عبدالعزیز المتولی	قاہرہ
۲۲۔ اسباب ورود الحدیث علامہ محمود حمزہ مفتی شام	دمشق
۲۳۔ الرسالۃ امام شافعی	قاہرہ
۲۴۔ الام امام شافعی	〃
۲۵۔ المبسوط سرخسی	〃
۲۶۔ الموافقات شاطبی	〃
۲۷۔ الہدایۃ مرغینانی	〃
۲۸۔ الدر المنیفہ سید مرتضیٰ زبیدی	〃
۲۹۔ الاحکام علامہ آمدی	〃
۳۰۔ الاحکام فی اصول الاحکام ابن حزم	〃
۳۱۔ اعلام الموقعین ابن قیم	〃
۳۲۔ المیزان شعرانی	〃
۳۳۔ تبصرۃ الحکام ابن فرحون مالکی	〃
۳۴۔ المستصفیٰ امام غزالی	〃
۳۵۔ الاسنوی شرح المنہاج	〃
۳۶۔ التقریر شرح التحریر	〃
۳۷۔ التیسیر شرح التحریر	〃

۳۸۔ مسلم الثبوت	مطبوعہ قاہرہ	۵۸۔ الثقات حافظ ابن حبان	مطبوعہ قلمی نسخہ مصر
۳۹۔ شرح مسلم الثبوت	〃	۵۹۔ الجرح والتعدیل ابن ابی حاتم رازی	مصر
۴۰۔ ارشاد الفحول شوکانی	〃	۶۰۔ میزان الاعتدال ذہبی	〃
۴۱۔ حجۃ اللہ البالغہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح	〃	۶۱۔ تہذیب الاسماء واللغات نووی	〃
۴۲۔ النکت الطریفۃ کوثری	〃	۶۲۔ طبقات المحدثین سیوطی	قلمی نسخہ مصر
۴۳۔ المحصول امام رازی	مخطوطہ	۶۳۔ تہذیب التہذیب ابن حجر	ہند
۴۴۔ اصول الفقہ للخضری	قاہرہ	۶۴۔ الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ابن حجر	〃
۴۵۔ تاریخ التشریع الاسلامی للخضری	〃	۶۵۔ الاستیعاب ابن عبد البر	مصر
۴۶۔ مذکرہ تاریخ التشریع الاسلامی	〃	۶۶۔ تذکرۃ الحفاظ ذہبی	〃
۴۷۔ نظرۃ عامۃ فی تاریخ الفقہ الاسلامی ڈاکٹر علی حسن عبد القادر	〃	۶۷۔ موضوعات ابن جوزی	ہند
۴۸۔ معرفۃ علوم الحدیث للحاکم	〃	۶۸۔ اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ سیوطی	مصر
۴۹۔ مقدمہ علوم الحدیث ابن الصلاح بمعارضات		۶۹۔ تذکرۃ الموضوعات للفتنی	〃
۵۰۔ الباعث الحثیث ابن کثیر	مصر	۷۰۔ قانون الموضوعات للفتنی	〃
۵۱۔ شرح التقریب حافظ عراقی	〃	۷۱۔ جامع بیان العلم ابن عبد البر	〃
۵۲۔ فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث عراقی	〃	۷۲۔ تاریخ دمشق حافظ ابن عساکر	دمشق
۵۳۔ تدریب الراوی جلال الدین سیوطی	〃	۷۳۔ تاریخ الاسلام ذہبی	قلمی نسخہ
۵۴۔ مفتاح الجنۃ 〃 〃	〃	۷۴۔ الطبقات الکبریٰ ابن سعد	〃
۵۵۔ توجیہ النظر شیخ طاہر الجزائری	〃	۷۵۔ البدایۃ والنہایۃ ابن کثیر	بیروت
۵۶۔ قواعد التحدیث للقاسمی	دمشق	۷۶۔ تاریخ بغداد۔ خطیب بغدادی	مصر
۵۷۔ الرفع والتکمیل مولانا عبد الحی لکھنوی	〃	۷۷۔ مقدمہ ابن خلدون	〃
		۷۸۔ العقد الفرید لابن عبد ربہ	〃

۷۹۔ وفیات الاعیان ابن خلکان	مصر
۸۰۔ الخیرات الحسان ابن حجر الهیثمی	〃
۸۱۔ مناقب ابی حنیفه للموفق المکی	〃
۸۲۔ الانتقاء فی فضائل الثلاثة الائمة الفقهاء ابن عبد البر	〃
۸۳۔ تانیب الخطیب کوثری	〃
۸۴۔ حسن التقاضی فی سیرة ابی یوسف القاضی کوثری	〃
۸۵۔ بلوغ الامانی فی سیرة محمد بن الحسن الشیبانی کوثری	〃
۸۶۔ شرح نهج البلاغة ابن ابی الحدید	〃
۸۷۔ فجر الاسلام احمد امین	〃
۸۸۔ ضحی الاسلام احمد امین	مصر
۸۹۔ منهاج السنة امام ابن تیمیه	〃
۹۰۔ الفرق بین الفرق بغدادی	〃
۹۱۔ عقیدة الشیعة	〃
۹۲۔ مجله المنار شیخ رشید رضا مرحوم	〃
۹۳۔ دائرة المعارف الاسلامیه	〃
۹۴۔ اصول السرخسی	〃
۹۵۔ الانوار الکاشفة استاذ عبد الرحمٰن یمانی	〃
۹۶۔ ظلمات ابی ریه استاذ محمد عبد الرزاق حمزه	〃
۹۷۔ مکتوب امام ابو داؤد بنام اهل مکه	〃

Marfat.com

حدیثِ رسول ﷺ

(73)

کا

تشریحی مقام

DATA ENTERED

تصنیف

ڈاکٹر مصطفےٰ سباعی مرحوم

سابق پروفیسر شعبۂ فقہ اسلامی

دمشق یونیورسٹی

ترجمہ و تحشیہ

پروفیسر غلام احمد حریری ایم اے

شعبۂ علوم اسلامیہ

زرعی یونیورسٹی، لائلپور

ناشر

کارخانہ بازار لائلپور

Marfat.com